



t.me/shiailmiaasaar

تعالیٰ



بسمہ



www.maablib.org

Call No.: +91-6302383399

Whatsapp No.: +91-8688215878

اطلاعات کتاب و تبصرہ از مولانا محمد عباس و پی ڈی اف سازی از حیدر عباس رضا سلمہ فرزند مولانا

اسم کتاب: زینت کربلا

مولف: سید آغا اشہر لکھنوی

زبان: اردو صفحات: ۱۹۲

موضوع: تاریخ، سیرت، کربلائیات، حضرت زینب
ناشر: عزیز ہند پریس جھانسی، زیر نگرانی سید آغا ہادی
لکھنوی، پرنٹر محمد عمر کاتب فتحپوری، 1944 عیسوی
توضیح و تبصرہ:

خواتین کیلئے تاریخ اسلام کی آفاقی شخصیات کا مطالعہ ضروری ہے اس

لیے کہ تاریخ ماضی کا آئینہ اور ہر دور کیلئے ایک روشن چراغ ہے۔ تاریخ کی انہی آفاقی شخصیات میں عالم اسلام کی نامور ہستی اور تاریخ کربلا کی رکن رکین حضرت زینب کی سیرت طیبہ ہے اور حضرت زینب کی سیرت کا مطالعہ ہر عورت، خصوصاً مسلمان عورت کیلئے لازمی ہے۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اردو زبان میں اس با عظمت بی بی پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اسی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے مشہور شاعر، ادیب اور تاریخ داں جناب سید آغا اشہر لکھنوی نے سالہا سال کوششوں کے بعد جناب زینب کبریٰ کی سوانح حیات پر "زینت کربلا" نامی شاندار کتاب لکھی۔ آپ کو تاریخی کتابیں لکھنے پر خاص مہارت حاصل ہے اسی لیے نواب نصیر حسین خیال نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ "اشہر کو سوانح لکھنے کا ڈھب یاد ہے" اس سے پہلے آنے "حیات رشید" نامی کتاب لکھی جو کافی مشہور ہوئی آپ ایک اور مشہور کتاب "تذکرۃ الزاکرین" بھی ہے۔ جس وقت آپ نے زینت کربلا لکھنے کا آغاز کیا اس وقت تک اردو زبان میں اس موضوع پر بس ایک دو کتابیں موجود تھیں اسی لیے مصنف نے اس عنوان پر قلم اٹھانے کی ٹھانی اور اس سلسلہ میں جناب عزیز لکھنوی اور مولانا ناصر حسین سے مشورے لیے اور اس کتاب کی تکمیل میں مولانا سید محمد نواب سے مدد لی اور جب کتاب مکمل کر لی تو اسے مولانا سید محمد سعید عبقاتی صاحب کو دکھایا اور آپ کی اس کتاب پر اس دور کے جید علماء نے تقریظیں لکھی ہیں انہی تقاریظ کی روشنی میں اس کتاب کی چند خصوصیات لکھ رہا ہوں تاکہ آپ میں اس کتاب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو۔ زینت کربلا ایک جامع اور دلچسپ کتاب ہے جو 1944 عیسوی میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی اس کتاب کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ یہ کتاب صرف جناب زینب کی سیرت کی کتاب نہیں بلکہ نصف نسواں کیلئے بہترین اخلاقی دستور العمل اور زبان و ادب کے لحاظ سے ایک ادبی شاہکار بھی ہے۔ اس کتاب میں واقعات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ معتبر حوالے دیے گئے۔ صرف چند ناگزیر عربی فقرات اور اشعار کے علاوہ عربی عبارتوں کے ذکر سے گریز کیا گیا اور صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی زبان اتنی سادہ، سلیس اور روان ہے کہ جسے ارباب علم و فہم ہی نہیں بلکہ اوسط درجہ کی تعلیم یافتہ خواتین و حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک باب "مرثیہ اور حضرت زینب" کے عنوان سے ہے جس پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے میر انیس کے کلام کا کس وقت نظر سے مطالعہ فرمایا ہے۔

مولانا محمد عباس مسعود کتاب شناس و بانی معصومہ قم اسلامک انسٹیٹیوٹ و بانی @Shiailmiaasaar



PDF آل عبا ٹرسٹ، کلکتہ کے مالی تعاون سے بنائی گئی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرْضِ زِينَةً
 لِّنَّبٰیهِمْ اَجْمَعًا خَسِرَ عَمَلًا
 (کھف)



خواتین اسلام کے نقطہ نظر سے
 سید آغا شہر بکھووی

سابق میرزا ایشیائے سامانی ہندو
 (مؤلف حیاتہ شہر)

کتاب کے ترتیبی عنوانات

نمبر	عنوانات	صفحہ	نمبر	عنوانات	صفحہ
۱	عرض افتتاحی و انتساب	۱۲-۱۳	۳۶	جناب زینب شامل قعات میں	۱۰۰
۲	ولادت جناب زینب	۱۸	۳۷	فصاحت و بلاغت	۱۰۲
۳	وجہ تسمیہ	۱۹	۳۸	مرثیہ زینب بنت العشر یہ اپنے	۱۰۴
۴	زینب نام کی مشہور خواتین	۲۳	۳۹	مقتول راہور کے غم میں	۱۰۹
۵	شعرانہ توجیہ	۲۷	۴۰	مرثیہ زینب بہ غم حسین	۱۱۱
۶	کنیت	۲۸	۴۱	خطبات	۱۱۵
۷	لقب	۲۹	۴۲	ایک سید عراقی کی نذر مرثیہ	۱۱۷
۸	جناب زینب خواتین اسلام کی نظر	۳۱	۴۳	مہمان سے برتاؤ	۱۱۸
۹	تعلیم و تربیت	۳۳	۴۴	بیماری سے گفت	۱۲۱
۱۰	بھتیجہ علی	۳۷	۴۵	اطاعت شوہر	۱۲۲
۱۱	اشقی محمول ترین بندہ	۴۱	۴۶	سفر کر بلا اور غلی اگاسی	۱۲۳
۱۲	باپ سے برتاؤ	۴۳	۴۷	شوہر زینب اور امام حسین	۱۲۶
۱۳	شوہر سے برتاؤ	۴۴	۴۸	محمد بن حنفیہ	۱۲۷
۱۴	خانہ داری میں انہماک	۴۹	۴۹	امام حسین و مہین کی بزرگداشت	۱۲۸
۱۵	قول امام باقری شرف المہبت میں	۵۲	۵۰	معاذ جنگ اور زینب	۱۳۰
۱۶	کنبے دانوں سے برتاؤ	۵۴	۵۱	غوریت کی شجاعت	۱۳۱
۱۷	سوتیلی ماں	۵۶	۵۲	دنیا کی جنگ نو اور عورتیں	۱۳۲
۱۸	عقد زینب عبد اللہ بن جعفر سے	۵۸	۵۳	ساواک بارہ کا ذکر	۱۳۶
۱۹	اولاد جعفر بن جعفریت رسول	۶۰	۵۴	شیعت کہنے ایشا و قربانی لازمی	۱۴۰
۲۰	دعا کے رسول کی برکت	۶۱	۵۵	بقر عید کی قربانی	۱۴۲
۲۱	سخاوت جناب عبد اللہ	۶۲	۵۶	اردو مرثیہ اور جناب زینب	۱۴۴
۲۲	وصیت رسول	۶۶	۵۷	مرثیہ اور زینب کا کردار اور بلند	۱۴۸
۲۳	تقریر حکمین	۶۷	۵۸	نندہا وج کے تعلقات	۱۴۹
۲۴	مقبوسہ کرم کا دھبہ تقابلی	۷۳	۵۹	مبندی رسمیں	۱۵۲
۲۵	بنی ہاشم کا افتتاحیہ کرم	۷۵	۶۰	علامہ شبلی اور علامہ ناصر حسین	۱۵۴
۲۶	کرم ہاشمی	۷۶	۶۱	عبادت و ریاضت زینب	۱۵۵
۲۷	ایک ماہی کی ترویج زینب کیلئے	۷۹	۶۲	حریت زینب	۱۵۶
۲۸	وفات عبد اللہ	۸۱	۶۳	پردہ و زینب	۱۶۶
۲۹	اولاد زینب	۸۲	۶۴	ایک عجیب خواب	۱۶۹
۳۰	امیر معاویہ اور جناب عبد اللہ	۸۶	۶۵	دیانت و ایمانیت واری	۱۷۰
۳۱	تسمیہ کا ہاشمی سے پیوند	۸۷	۶۶	علم عورتوں کی رازداری	۱۷۲
۳۲	شرف اولاد فاطمہ	۸۸	۶۷	حفاظت اسلام میں زینب کا حصہ	۱۷۳
۳۳	واقعہ کربلا	۹۲	۶۸	استقلال زینب	۱۷۴
۳۴	غلاف کعبۃ اللہ	۹۴	۶۹	زینب و حاکم کوفہ سے دلیرانہ گفتگو	۱۷۵
۳۵	اطاعت پدر	۹۹	۷۰	زینب شام میں	۱۷۶

۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰

کتاب کے متعلق چند اہم باتیں

قلعہ

۱۔ عالی جناب حضرت مولانا سید محمد سعید صاحب سہیل
 قرة عين النبوة فليدة كبد الامام - مخدرة عصمت و طهارت
 عليا مكرمه حضرت زينب صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہا كر بلا و با بعد
 كر بلا کے حسینی معرکے میں ایک رکن رکن و جزو اہم کی حیثیت
 رکھتی ہیں۔ اسی لیے امام علیہ السلام نے باوجود اعزاز و اقرار بار
 کی عام مخالفت رائے کے ان کو سفر غربت میں اپنے ہمراہ رکھنا
 ہی ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ حسینی مقصد کے کامیاب بنانے
 میں جو کچھ اس شخصیت عظمیٰ سے ظہور میں آیا، اُس نے دنیا سے
 منوالیا کہ انسانیت کے اس رہبر اعظم کی قوت نظر اور اصابت
 رائے کتنی بلند اور دور رس تھی۔

انھیں خاتون عصمت کے درون کا اور سبق آموز حالات
 زندگی کے متعلق جناب سید آغا شہر صاحب لکھنوی دہشت معالیہ

یہ کتاب تالیف فرمائی ہے جس کے چند مقامات جو جناب
مؤلف نے منتخب فرمائے نظر قاصر سے گزرے جس سے اس کا
اندازہ ہوا کہ موصوف کی قلمی کاوش نے نہ صرف ایک اہم ضرورت
کو پورا کیا ہے بلکہ اردو داں اصحاب کے لیے ایک قابل
قدر تحفہ پیش فرمایا ہے۔

اس کتاب میں آپ نے علمی و ادبی افادات کو کافی
وجہ پ بنانے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ مقام بغور نظر کرنے
کے قابل ہے جہاں آپ نے عہد جاہلیت کی ایک شاعرہ
زینب بنت الطریقہ اور حضرت علیا کرمہ سلام اللہ علیہا کے
مرثیوں میں موارنہ کرتے ہوئے عقائد وینیہ کی روشنی میں
ہستہ اچھا نتیجہ نکالا ہے۔ اسی طرح وہ مقام بھی وجہ پ ہے
جہاں آپ نے بنی ہاشم کے جود و کرم پر شعراء عرب و عجم کے
کلام سے استدلال کیا ہے۔

روایات انتقال پر روشنی ڈالتے ہوئے جو مسلک اپنے
اختیار کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس باب میں آپ کی
نظر سطحی نہیں بلکہ عمیق ہے۔

حضرت مخدومہ عصمت سلام اللہ علیہا کی پاکیزہ زندگی

سے تہذیبِ نفس اور تدبیرِ منزل کے جو اصول آپ نے واضح فرمائے ہیں وہ طبقہٴ نسواں کے لیے بے شبہ ایک نئی دستور العمل پیش کرتے ہیں۔

الحاصل ہر طرح اس کتاب کو دلچسپ اور سبق آموز بنانے کی کوشش کی گئی ہے جس سے امید ہے کہ یہ کتاب مؤمنین میں خاطر خواہ مقبول ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

حررہ بیناہ الوائزہ
محمد سعید الموسوی العبقانی عفی عنہ نقلاً

شوال المکرم ۱۳۶۳ھ
کتب خانہ ناصریہ کھجورہ لکھنؤ

(۲) فاضل علوم مشرقیہ عالی جناب مولانا سید محمد حسین صاحب
(عرف محمد نواب صاحب) باسنادہ (لکھنؤ پرنٹورسٹی)

”زینتِ کربلا“ کو میں نے پڑھا۔ جناب مصنف نے جو موضوع اختیار کیا ہے وہ دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں سے نہایت موزوں ہے۔ جزاء اللہ۔ اس کتاب میں جو قدر

تاریخی حوالے ہیں اُن کے ماخذ بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ اور ادبی لحاظ سے تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اُردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ یہ کتاب اس طرز سے لکھی گئی ہے کہ نہ صرف ارباب علم اسے پڑھ کر محظوظ ہوں بلکہ خواتین اسلام نیز اوسط درجے کی قابلیت رکھنے والے حضرات بھی اس کے مطالعے سے بہت فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت زمینت کے کردار کو نہایت مسلسل طریقے سے جناب اشہر نے واضح فرما دیا ہے۔ حتی الامکان عربی ماخذ کی عبارات کو نظر انداز کر کے ترجمے سے کام لیا ہے جو نہایت دلچسپ ہے۔ لیکن جہاں اشعار یا ضروری فقرات عربی کا لکھنا ناگزیر تھا اُن کو بعینہ مع ترجمے کے نہایت بر محل اور برجستہ استعمال کیا ہے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ جناب اشہر کو منجانب اللہ الہام ہوا ہے جو یہ موضوع غائب کیا ہے۔ اور زبان اُردو کا تو کیا کہنا جو لکھنؤ کی ملکالی ہے۔

حضرت زمینت کے متعلق جہاں تک مجھے علم ہے اس سے زیادہ تحقیق و تدقیق اور معتبر ماخذوں سے کسی مؤلف نے کام نہیں لیا۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب خاطر خواہ مقبول ہوگی۔

حررہ سید محمد حسین ۴ جولائی ۱۹۴۱ء (شاخہ منزل لکھنؤ)

(۳) عالی جناب پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی آؤ
 صدر شعبہ فارسی و اردو (لکھنؤ یونیورسٹی)
 جناب آغا اشہر لکھنوی جو حیات رشید کے مصنف کی
 حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، ایک مدت سے ثانی زہرا
 حضرت زمینت کے سوانح کی تدوین میں مصروف تھے۔ اُن کی
 سالہا سال کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ”زمینت کر بلا“ کے نام
 سے عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔ فاضل مصنف نے
 کتاب کی اشاعت سے پہلے اُس کے مختلف مقامات پڑھ کر
 مجھے سنائے۔ میں اُن کی اس عنایت کا شکر گزار ہوں۔ موصوف
 نے کتاب کو جامع اور دلچسپ بنانے میں حتی المقدور کوئی کمی
 نہیں کی۔ حالات کی تحقیق، واقعات کی ترتیب، زبان کا لطف،
 بیان کا حسن، غرض کہ جو خصوصیتیں کسی تالیف کی کامیابی کے لیے
 ضروری ہیں اُن سب کو اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی
 ہے۔ اسلوب بیان کچھ ایسا رکھا ہے کہ حضرت زمینت کے درناک
 حالات زندگی گریہ خیز ہونے کے باوجود سبق آموز بھی رہے
 اور یہ کتاب ہماری عورتوں کے لیے بالخصوص ایک خدائی
 دستور العمل بن گئی۔

حضرت اشرف نے اس کتاب کی تالیف تاریخ و سیرت کی معتبر کتابوں کے علاوہ عربی، فارسی، اردو کے شعر و ادب سے بھی کام لیا ہے۔ کتاب کا وہ باب جس کا عنوان ہے ”اردو مرثیہ اور حضرت زینت“ ادبیات کا ذوق رکھنے والوں کے لیے خاص کر بہت دلچسپ ہے۔ اس باب سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جناب اشرف نے کلام انیس (مطالعہ کس وقت نظر کے ساتھ کیا ہے) اور جولطائف و نکات میں پوشیدہ ہیں اُن کو بیان کرنے پر انھیں کتنی قدرت حاصل ہے۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقے میں مقبول ہوگی۔

سید مسعود حسن اصوی (ادبستان لکھنؤ)

۶ جولائی ۱۹۴۴ء

(۲) عالی جناب پروفیسر محمد طاہر صاحب فارسی صدر شعبہ فارسی
واحدہ (اگرہ یونیورسٹی) حرار جامع اردو (اگرہ)

میرے مکرم دوست جناب آغا اشرف لکھنؤ نے ”زینت کر بلا“

تصنیف فرما کر ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے۔ بقل اقبال:

حافظ زمر اخوت نادان قوت قرآن ولت نادان

مگر اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں
اسلامی و معاشرتی تعلیمات سے قطعاً ناواقف ہوئی ہیں۔ نتیجہ یہ
کہ افراد قوم میں:

سیرت فرزندہ از اہمات جوہر صدق مصفا از اہمات اقبال
کا مصداق ناپید ہے۔ جس کا اثر اعمال و عقائد اور سیرت کردار
یکساں نمایاں ہے۔ علامہ اقبال سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ ہر
کی سیرت پاک کو مسلمان عورتوں کے لیے ”اسوۂ کاملہ“ قرار دیتے ہیں:
مزین تسلیم راجل متول ماوراء الاسوۂ کامل متول

مگر سچ پوچھیے تو ہم میں چند فیصدی بھی ایسے نہ ملیں گے جن کو خاتواوۃ
رسالت کی سیرت کا مطالعہ کرنے کی توفیق ہوئی ہو۔

انھیں برگزیدگان آفاق میں سے حضرت زینب بنت علیؓ
ہیں۔ جن کی حیات پاک عالم اسلامی کے لیے نمونہ کامل ہے۔
اور جن کی تقلید موجب نجات و سعادت۔ ایسی ہی مخدرات کائنات

اقبال نے کہا ہے:

آتش مارا بہ جان خود زند در ضمیرش ممکنات زندگی
جوہر او خاک را آدم کند از تب و تابش ثبات زندگی
الرج ما از ارجہ بیای او ماہم از نقشبندیای او

حضرت زینبؓ کی سیرت کا مطالعہ ہر عورت اور خصوصاً مسلمان عورت کے لیے لازمی ہے۔ جس میں ان کے لیے زندگی کے سبب نشیب و فراز اور فرائض اُمومت کے مختلف مایج جلوہ پاش نظر آتے ہیں۔ اور جن کی تقلید ایک عورت کو کاملیت عطا کر سکتی ہے۔

ہمیں آغا اشر صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ جناب مصنف نے حضرت زینبؓ کی سیرت پاک ترتیب و پیکر اور دو ادب میں ایک واقع اور مفید اضافہ کیا ہے۔ اشر صاحب ہمیشہ اہل زبان اور مصنف کے اس قدر مشہور ہیں کہ میرا آپ کی بابت کچھ تحریر کرنا بجا سا ہے۔ مجھے تو صرف جناب کی اس محنت و کاوش کو سراہنا ہے جو آپ نے اس کتاب کی تالیف میں صرف فرمائی ہے۔ جس کے لیے مجھے یقین ہے کہ تمام ملت اسلامیہ آپ کی ممنون ہوگی۔ مجھے یہ بھی قوی توقع ہے کہ آپ کی محنت سعی مشکور ہوگی اور خصوصیت سے ہماری مائیں اور بہنیں اس کتاب سے بڑی حقہ پرہیز مند اور مستفید ہونگی۔ کیونکہ صرف وہی عورت جو بڑی تعلیم میں کامل ہو ”زندگی کا سوز“ اور ”شرف کا درمکن“ ہے۔ جو وزن سے بے تصویر کائنات میں زندگی کے سانس سے زندگی کا سوز و دل

شرف میں بڑھکے تھے اسی وقت غاک اسکی کہ ہر شرف ہے اسی طرح کا درمکنوں
 مکالمہ فلاحوں نہ لکھ سکتی لیکن اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ فلاح
 محمد طاہر فاروقی
 (اقبال)
 ۱۱ اگست ۱۹۴۴ء

(۵) عالیجناب سید شہنشاہ حسین صبا (ایڈووکیٹ)
 سابق مدیر "خیاباں" لکھنؤ
 کتاب پڑھی، آنکھیں کھل گئیں۔ آپ نے وہ کیا جو بڑے بڑوں
 سے نہ ہو سکا۔ جزاک اللہ! نواب نصیر حسین خیال مرحوم نے سچ کہا تھا
 "اشہر کو سوانح لکھنے کا ڈھب یاد ہے"
 شہنشاہ حسین رضوی

(۶) عالی جناب سر ناظم الدین القادری (وزیر اعظم بنگال)
 اب زمانہ آگیا ہے کہ خواتین اسلام بھی معاشرتی، تمدنی
 اور سیاسی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ہر قربانی کے لیے
 تیار ہو جائیں۔

ناظم الدین
 نظام الدین
 (کلکتہ)

تصدیر الکتاب

(ک) (ب) بقدر فاضل الاجل حضرت محمد حسن
الاعظمی (من علماء الارض) والمدرس
السابق بالجامعة المصرية القاهرة
هذا کتاب يتضمن طرفاً من حیات سیدة زینب
بنت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کتبه الفاضل
المحقق الاستاذ الاشتهر والکتاب علی صفة - یجدي
کثیراً علی القراء وأصحاب التراجم وبعد فاتحة طيبة
لکتاب اخی تفضل الکلام فی حیات الزعماء والابطال
ویزیدنا عنايته بهذا الکتاب أن مؤلفه الفاضل
اجتهد فی تألیفه وحده فی مراجعة کتب کثيرة - وحمل
کثیراً من المشقة فی هذا السبیل النبیل ومن قلب
صفحات هذا الکتاب ودققت فی مصاحرة وراجع ما یحتوی
من الاخبار الصادقة والاحوال الجامعة عرف مقدار
المشقة التي احتملها الاستاذ الاشتهر فی وضع هذا
لکتاب - الصغیر حمید العظیم نفعه -
أن التاريخ مرآة الماضي ومنازل الحاضر وهو

نیت کر بلا

۱۱

ان يكون مرآة اجتيد صقلها حتى تتضح فيها صورة
الماضي، ومناورة يثقة نورها براقاً يستضيء به الحاضر،
الا اذا قام على ذكر الحقائق الكاملة المستقاة من
اولى المصادر لا يتسرب اليها شك ولا تشوبها
ريبية. واني أشكر المؤلف الفاضل واحمد له اجتهد
ويحسن نيتاً، والله يوفقه وما يانا للعمل الخالص
البتغاء مرضاته -

محمد حسن الاعظمي

(الوارد في الدكن)

١٠ جون ١٩٢٢ء

بعونہ

چونکہ یہ بالیف

حضرت علامہ

مولانا سید صریح صاحب

کے

آفتاب علم سے مقتبس ہے

لہذا

فرے کو افتاب ہے انتساب کا حق حاصل ہے

حقیر

مؤلف

مفتی افتخاری

حیات رشید مرحوم کے اقامت کے بعد ۱۳۴۵ھ
 میں سب سے پہلے مجھے سوانح جناب زمینیا کریمہ کا خیال
 پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے عزیز مرحوم سے ذکر کیا۔ مرحوم نے
 کہا اگر چاہتے ہو کہ تالیف مقبول و مستعمل ہو تو حضرت شمس العلماء
 مولانا سید ناصر حسین صاحب قلم سے مشورہ لو۔ میں نے کہا
 آپ نے کہا تو ٹھیک اچھا چلے، لہذا میں اور عزیز مرحوم
 کو کہہ پہنچے۔ دوران گفتگو میں مجوزہ تالیف کا ذکر کیا گیا۔
 جناب مفتور نے مسئلہ کے فرمایا: ”یہ حیات رشید نہیں ہے۔
 بہت محنت کرنی ہوگی۔“ مئے عرض کی: ”صرف جناب کا کرم
 علی درکار ہے۔“ فرمایا ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:
 ۱۔ بحار الانوار (جلد دوم) ۲۔ طراز المذہب (سپر کاشانی)
 ۳۔ نور الابصار (علامہ سیوطی) ۴۔ اتہام النعمت (مولانا کمال الدین)
 ۵۔ تذکرہ خواص الامم (سبط بن جوزی) ۶۔ معارج (ابن قیم)
 ۷۔ اللعاجز (سید شمس بکری) ۸۔ خصائص زمینیا (مولانا نور الدین زنجانی)
 ۹۔ رسالہ زمینیا (علامہ سیوطی) ۱۰۔ معارف النعمت (محمد الصبان)
 اس وقت اردو میں جناب زمینیا کے متعلق کوئی تالیف نہ تھی۔

میں نے مصمم ارادہ کیا کہ جلد ختم کروں۔ لیکن اول تو کتا ہیں
قراہم کرنے اور اُن کے مسوط مطالعے میں وقت صرف ہوا
دوسرے زمانے نے فرصت مشغولیت بہت کم دی۔ مگر
اس درمیانی وقفے میں تالیف کے خیال سے غافل نہیں رہا۔
کبھی کبھی جناب مرحوم سے استفسار امر کر لیا کرتا تھا۔ اُن کے
انتقال کے ساتھ جانگزا کے بعد مصمم ارادہ ہو گیا کہ تالیف کو
جلد سے جلد ختم کرنا چاہیے۔ بہت سے میرے خوش ہونے
والے کرم فرما جو تکمیل تالیف کے مشتاق تھے عازم حجت
ہوئے۔ مثلاً پردغیر ناصری۔ جناب عزیز، جناب محشر
رحم اللہ علیہم۔

افسوس کہ اس وقت حضرت ناصر الملہ موجود نہیں لیکن
بحمد اللہ اُن کا نام نامی برقرار رکھنے والے حضرت مولانا
محمد سعید صاحب قبلہ موجود ہیں۔ میرا فرض تھا کہ یہ مسودہ انکی
خدمت میں پیش کروں۔ جناب موصوف نے ملاحظہ فرمایا
ممنون کرم کیا۔

آخر میں فاضل محترم جناب مولانا سید محمد نواب صاحب
ایم اے۔ ایل ایل بی۔ کی نظر مکرست اثر کا ممنون ہوں لیکن

ایک اور جید الاستعداد مگر مستغنی المزاج فروغ نے۔ جو سرشار
جام ولایت ہیں۔ بعض اشعار عربی کے ترجمے میں ترقی
لفظ تجویز فرمائی جسے شکر یہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔ لیکن انشاء
اسم گرامی کی اجازت نہیں دی۔

خصوصیات

- ۱۔ حتی الوسع عربی عبارت کم اور ترجمہ زیادہ ہے۔
- ۲۔ طرز تحریر بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ تاکہ خواتین
و بچپی سے پڑھیں اور اپنے مذاق کے مطابق اثر
لیں۔

۳۔ واقعاتِ محنت کی تحریر میں جن الفاظ و تراکیب سے
کام لیا گیا ہے، خواہ وہ کیسے ہی غم انگیز ثابت ہوں۔
لیکن ایسے مقامات پر بھی قربانی کا روشن پہلو دکھانے
کی کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ دو مقاموں پر عربی اشعار کا ذکر ہے۔ جس سے
صرف علمی و بچپی مقصود ہے۔

اس وقت اردو تالیفات کے میدان میں جنابِ زینت
سلام اللہ علیہما کے متعلق دو تین رسالے موجود ہیں۔

آخر میں حقیر مؤلف بھی اپنا سرمایہ محنت پیش کرتا ہے۔
 مگر قبول افتد نہ ہے عز و شرف

موسل سلسلہ مرصوبہ
 سید آغا اشہر لکھنوی

سالک راہِ حق بیاطور ہدیٰ از ما^{ا طلب}

تو حقیقت از درِ عترت مصطفیٰ طلب

یوں تو باختلاف مورخین علاوہ پندرہ صاحبزادوں کے
حضرت علی مرتضیٰ کی مختلف ازواج سے ۱۸، ۲۰ یا ۲۲ صاحبزادیاں
لیوں اس وقت جن کا ذکر طوالت کا باعث ہو گا لیکن جن صاحبزادوں
کے واقعات حیات کو عالم اسلام میں ایسا اہمیت حاصل ہے
وہ جناب زمینت بنت فاطمہ ہیں یطین جناب فاطمہ زہرا سے

۱) تین بیٹے: حسن، حسین اور محسن جو سنی ہیں انتقال فرما گئے۔
۲) تین بیٹیاں: زمینت، ام کلثوم، رقیہ بعضوں نے
ام کلثوم زمینت کبریٰ ہی کی کنیت لکھی ہے۔

اگرچہ دختران جناب فاطمہ کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن
مذکورہ تین ناموں سے اکثر مورخین اتفاق کرتے ہیں۔ چونکہ
اس تالیف کا مقصد جناب زمینت خاتون کا ذکر ہے لہذا اختلاف
عائد یا ان کی کنیت ولقب ہیں شہداء خارج از بحث ہے۔

ولادت جناب زینب

جناب زینبؑ ولادت امام حسینؑ کے دو سال بعد پیدا ہوئیں۔ چونکہ امام حسینؑ کی ولادت بالاتفاق شعبان ۴۸ میں ہوئی لہذا جناب زینبؑ کی ولادت اول شعبان ۴۹ میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس تاریخ کے علاوہ اس بابے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اور اس کے متعلق جو اختلافات ہیں، وہ عقلاً صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

مثلاً بعض نے لکھا ہے کہ ولادت جناب زینبؑ آخر ماہ رمضان ۴۹ میں واقع ہوئی، جس وقت جناب رسالتؐ معرض ربوک میں تشریف لے گئے تھے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ آنحضرتؐ نے ۳۸ میں رحلت فرمائی، اُس وقت جناب فاطمہؑ کے بطن مبارک میں جناب محسنؑ تھے۔ اس قول سے ایک سال میں دو حمل قرار پائے ہیں اور یہ خلاف قانونِ فطرت ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ غالباً ۴۹ میں جناب زینبؑ کی ولادت باسعادت واقع ہوئی۔ ۴۸ کے مابین جناب اُمّ کلثومؑ معرضِ حوہ میں آئیں، اُس کے بعد شاہ ۴۹ میں جناب محسنؑ۔

صاحبِ قاموس کی تحقیق میں (زینت) (زینب سے مرکب
ہے جس کے معنی (زین) کے ہیں مستوراتِ عرب میں رستو
ہے کہ چوڑی ہوتی تازی ہوتی ہے اُس کو پیار سے زینب کہہ کے
کارا جاتا ہے (یا اُم شحمہ) جس طرح ہندوستان میں جو بچی
کلمہ تناسی ہوتی ہے اکثر ماں باپ اور بزرگ خاندان اُسے
(بی شتی) کہہ کے پکار لیا کرتے ہیں، حتیٰ کہ کبھی کبھی جوان بچے
تک یہی اس نام سے پکاری جاتی ہے۔

دوسرے معنی (زینب) کے نیک منظر یا خوشبودار
درخت کے ہیں۔ بچوں کا بوٹا ساقہ، پھول سا چہرہ، زکسی
الکھیں جن پر عصویت کا نورانی منظر ہر وقت چھایا رہتا ہے
اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ انھیں استعارتاً ایسے لفظ سے
موسوم کیا جائے جس میں آئندہ بچوں نے پھلنے کی دعا شامل ہو۔
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بنا برِ فصاحت کلام انسانی قد کو
نرم، شمشاد سے اور دوسرے اعضا کو مختلف گل و پھول
سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہذا اس تزیینِ کلام کے سلسلے میں مجھے
کلامِ انہی کی سند پیش کرنی پڑی چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ
وہ پاک و پاکیزہ شجر جس کی جڑ زمین میں اور شاخیں آسمان میں
رسالت اب اور ان کے اہل بیت طاہرین کی جسمانی اور روحانی
معراج کا آئینہ وار ہے۔ یا قول رسالت تابّ اَنَا وَ عَلِيٌّ
مِنْ شَجَرَةٍ وَاحِدَةٍ میں اور علی ایک ہی نورانی شجر کی

دو شاخیں ہیں۔

ان تشبیہات کلام کے سلسلے میں جناب فاطمہؑ کی ذات
مبارکہ چھوٹی جاتی تھی۔ ایک حدیث نبویؐ اُن کو بھی اس ایت
کے مفہوم میں شامل کر لیا۔ جناب ابوسعید شرف النبوة میں
جناب عائشہؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: اُنھوں نے حضور
رسالت میں ایک روز عرض کی ”یا رسول اللہؐ کیا وجہ ہے
کہ جب فاطمہؑ آتی ہیں تو آپؐ اپنی زبان مبارکہ اُن کے دہانہ
میں رکھ دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جیسے شہد کے منہ سے لے
رہے ہوں۔“ رسول اللہؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا ”جبریل
نے مجھے ایک سیب جنت دیا تھا، لہذا جب میں اُس کی لذت
و خوشبو کا مشاق ہوتا ہوں تو فاطمہؑ کے بوسہ لب و دہن
سے حاصل کرتا ہوں۔“

حسین کے متعلق بھی بالاتفاق یہ حدیث بیارہ کی جاتی ہے "الحسین والحسین ریحاننا فی الجنة" حسن و حسین میرے دو جنتی بھول ہیں۔ اس سے تو میرے نظریہ توحید کلام میں اور تقویت ہو جاتی ہے۔

اگر (زمینت) کے معنی نیکو منظر اور خوشبودار درخت کے لیے جائیں تو بھی یہ ایہام قابل قبول ہے۔ اس وجہ سے کہ جناب زمینت کے چہرہ نورانی کی نیکو منظر ہی پر ارشاد نبوی شہید ہے کہ وہ صورتاً جناب خدیجہ (زوجہ رسول) سے بہت مشابہتیں جن کے جمال مبارک کے متعلق عام مورخین عرب لکھتے ہیں (کانت سیدتنا خدیجہ من اجمل النساء المرئین واعلمها۔ وکانت نسبی بملیکۃ العرب وتعرف بسیدۃ البطحاء) جناب خدیجہ زناں قریش میں سب سے زیادہ حسین اور عقیلہ تھیں۔ انھیں لوگ ملکہ عرب اور سیدۃ بطحاء کہتے تھے۔

اب رہے (زمینت) کے تیسرے معنی (زمین ابام) یعنی باپ کی زمینت۔ تو اس معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی وہ صرف ماں باپ ہی کے لیے باعث زمینت نہ تھیں

بلکہ بعد جناب فاطمہ تمام زنانِ بنی ہاشم میں جن کو تاریخ ہمام
اہمیت دیتی ہے صرف جناب زمینت ہی وہ خاتون ہیں
جن کی ذات سے رسول اللہ کے سلسلہ اثاث کا فخر و شرف
وہستہ ہے۔ حتیٰ کہ اُن کے علم و عمل کا مرتبہ جناب فاطمہ کے
مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس دختر کو علی مرتضیٰ ایسے بابِ مدینہ علم نے پر
لکھایا ہو اور فاطمہ ایسی ہاں نے زیر تربیت رکھا ہو
کے فضائل ظاہری و باطنی میں کونسی کمی رہ سکتی تھی۔ چنانچہ
کر بلا کے سلسلے میں جہاں سے جناب زمینت کی اصلی عظمت
و شہرت منظرِ عام پر آتی ہے، اُن کے تمام اقوال و افعال
اُن کے والدین ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

دخترِ بزرگ ہونے کی حیثیت سے تو وہ خاتونِ جناب
جناب فاطمہ کی جانشین تھیں ہی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ
جہاں حضرت زمینت نے سلسلِ تقریر کی ہے تو بالاتفاق
واقعہ کر بلا لکھنے والوں نے خبر دی ہے کہ اس کلمہ
سے بول ہی نہیں کہ معلوم ہوتا تھا علی بن ابی طالب اپنے
بچے میں خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

واہ رہی علیؑ کی عالمہ بیٹی! باپ کی اُس علی وراثت
میں بھی شریک ہو گئی جو صرف حسن و حسین کا حق تھا صرف
یہیں تک نہیں بلکہ اس تالیف میں آگے چل کے معلوم ہوگا
کہ کیسے کیسے نازک موقعوں پر اس لاجواب بی بی نے اپنے
والدین بلکہ خود رسول اللہؐ کے نام کو روشن کر دکھایا
ہے۔ اور اپنے آپ کو اس اسمِ اسمیٰ ثابت کیا ہے۔ اسی
معنویت کے ماتحت اس تالیف کا نام زمینت کر ملا
رکھا گیا ہے۔

زمینب نام کی مشہور خواتین اسلام

اس وقت تک تاریخِ زمانِ اسلام میں زمینب نام
کی پانچ خواتین مشہور ہیں:

(۱) زمینب بنت محمدؐ۔ جن کا عقد قبل ہجرت
ابوالعاص سے ہوا۔ کفار کی طرف سے جنگِ بدر میں
شکرِ اسلام سے رڑے اور گرفتار ہوئے۔ چونکہ اُس
وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے خسر
حضرت رسول اللہؐ نے اس شرط پر رہا کیا کہ وہ اپنی
زوجہ زمینب کو مدینے بھیج دیں۔ لہذا بدر سے واپس

ہوئے پر ابوالعاص نے مطابق عہد جناب زینب کو
ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ
مدینے روانہ کر دیا۔ راستے میں جبار نے جو اسم باسٹی
اور کفار قریش سے تھا جناب زینب پر ایسا وار کیا کہ
بیچاری غماری سے نیچے گر پڑیں اور اسقاطِ حمل ہو گیا۔
مدینے پہنچنے کے بعد سخت امراض نسوانی میں مبتلا ہو گئیں۔
اور ۹۷ھ میں انتقال کیا۔ (انھیں کی نیک صاحبزادی
اصامہ سے علی مرتضیٰ نے حسب وصیت جناب فاطمہ
عقد کر لیا تھا جن کی عمر وقت نکاح تقریباً پندرہ سال
کی ہو گئی۔

(۲) زینب بنت جحش۔ رسول کی بھوپتی زاویہ

اول زید بن حارث کے نکاح میں تھیں، اُن سے طلاق
کے بعد ۶۷ھ میں آنحضرت کے نکاح میں آئیں۔

(۳) زینب بنت خرمیہ بن الحارث۔ خاندان

عامری سے ہیں۔ کثرت خیرات اور حب مساکین کی
وجہ سے اقم المساکین کنیت ہوئی۔ ۳۷ھ میں بعد شہادت
شوہر ایک غزوہ میں رسول کے نکاح میں آئیں۔

(۴) زینب بنت ام سلمہ - جن سے متعدد احادیث صحیحین میں منقول ہیں۔

(۵) زینب بنت الطریقہ - اس خاتون عرب پر ادبی حیثیت سے نظر پڑتی ہے۔ اس کے حقیقی بھائی یزید کو بنو حذیفہ نے 'وادی عشق' میں قتل کر دیا تھا۔ بہن نے بھائی کے غم میں ایک مرثیہ کہا جس میں جو دو سخا، مروت و عطا، سمجھی کا ذکر ہے جو دیوان حاسہ (باب المراتی) میں نقل کیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ نظم صحیح وارداتِ حزن و ملال کا مرقع ہے، جو ایشیا میں عربی شاعری کے لیے مخصوص ہے۔ اس مرثیے کا آگے ذکر کیا گیا ہے، جہاں زینب بنت علیؑ کے اُس مرثیے کا ذکر ہے جو اُن مظلومہ نے اپنے مانجھے حسینؑ کے غم جانکاہ میں نظم کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ غم برادر میں ان دونوں خواتین عرب میں سے کس کے جذباتِ الم زیادہ مؤثر ہیں۔

(۶) زینب بنت علیؑ - جنہوں نے تکمیلِ فضل و شرفِ اہلبیت پر اپنے کردارِ حسنہ سے آخری تہر لگا دی۔

بہر حال جس وقت جناب زمینت عالم وجود میں تشریف
 لائیں تو حضرت رسالت مآب کی خدمت میں اطلاع دے گئی
 کہ آپ کی صاحبزادی کے یہاں دختر نیک اختر پیدا ہوئی
 ہے۔ آنحضرت بیت الشرف فاطمہؑ میں تشریف لائے اور
 فرمایا لاؤ میری گود میں دیدو۔ قذاقہ معصومہ آغوشِ رسالت
 میں رکھ دیا گیا۔ آپ نے فرطِ محبت سے نوزائیدہ کو گٹے
 سے لگا لیا۔ اپنے نورانی رخسار پھول سے گالوں پر رکھ
 دیے لیکن چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ
 نے عرض کی: ”بابا خداوندِ عالم آپ کو کسی غم میں نہ ڈلائے
 یہ آپ کیوں رونے ہیں؟“ فرمایا: ”تیری یہ نورِ نظر ہم سب کے
 بعد تختِ رنج و محن میں مبتلا ہوگی۔“ ماں کی لالک مشہور ہے
 عین کی ”تو بابا اس کی تکلیفوں سے جو متاثر ہوگا اُسے کیا
 اجر ملے گا؟“ ارشاد نبوی ہوا۔ ”اُسے وہی ثواب ملے گا
 جو پیشِ خدا حسینؑ پر گریہ کرنے کا ہے۔ اُس کے بعد آنحضرت
 نے مولودہ کا نام زمینت رکھا۔ اور فرمایا کہ یہ بچی اپنی ماں
 زمینت (زمینت رسول) سے مشابہ ہے۔
 دوسری روایت میں ہے کہ جناب فاطمہؑ نے وصال

ولاوت جناب زمینت کے چند روز بعد علی بن ابی طالب
سے کہلوایا کہ مولودہ کا نام تجویز کر دیں۔ انھوں نے جواب
دیا۔ میں حضرت رسالت مآب کے تجویز کیے ہوئے نام
کو بہتر سمجھوں گا۔ چنانچہ جب حضرت سفر تنوک یا کسی دوسرے
سفر سے واپس تشریف لائے تو جناب سلمان نے حضور
نبوی میں ولاوت دختر کی خبر دی۔ اسی دوران میں فرشتہ
نازل ہوا اور خلاقی کون و مکاں کی جانب سے تجویز ایم
زمینت کی خوشخبری سنائی۔

شاعرانہ توجیہ

لفظ زمینت کی ایک دلچسپ شاعرانہ توجیہ بھی سن لیجیے
وہ یہ کہ جس طرح اُن مغلہ کا گوشت پوست پختن میں شامل ہے
اسی طرح ز، ی، ن، ب کے اجزاء ترکیبی بھی اسمائے
پختن کے حروف ترکیبی میں شامل ہیں، چنانچہ (ز) نہرا
سے۔ (ی) علی مرتضیٰ سے۔ (ن) حسین سے۔ (ب)
نبی برحق سے۔

میرزا اے قلی صاحب (قوانین) لکھتے ہیں کہ
جناب زمینت کا اسم شریف حصول مقاصد کے لیے



عجیب اثر رکھتا ہے۔ یہ قول کچھ بعید بھی نہیں معلوم ہوتا۔
اس وجہ سے کہ وہ مظلوم شہداء سے کر بلا کی طرح مظلوم نظر
رسالت اور مقبول بارگاہ الہی ہیں۔

کنیت

آپ کی کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض اُم الحسن
بتاتے ہیں اور بعض اُم کلثوم وغیرہا۔ اسی بنا پر بعض
خطبے اور مرثیے جو جناب اُم کلثوم سے منسوب ہیں۔
جناب زینب ہی کے کہے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ
ان کی کنیت اُم کلثوم بھی ہو۔ کیونکہ یہ نام ایک دختر
رسول کا بھی تھا۔ جس طرح اوپر مذکور ہوا کہ زینب بھی
رسول کی صاحبزادی تھیں۔ عرب میں یہ قاعدہ ہے کہ لڑکے
یا لڑکی کو بزرگوں کے نام سے بطور (کنیت) کے پکارتے
ہیں اور یہ رسم بچوں کی طول عمر کے لیے نیک شکون سمجھا
جاتا ہے۔ چنانچہ انا م حسین نے بھی اپنے فرزندوں کے
نام پر بزرگوں کے نام پر رکھے تھے۔ صرف اکبر اور
اصغر سے رفع اشتباہ کر دیا تھا۔ بعض نے اعتراض کیا کہ آپکو
فرزندوں کے لیے دوسرا نام نہیں ملا۔ ارشاد ہوا کہ

اگر خداوندِ عالم مجھ کو سو فرزند عطا فرمائے تو سب کا نام رکھی
ہی رکھوں گا۔

کنیت کا رواج عرب کے سوا عجم میں بھی نہیں اور
ہے بھی تو عربوں کی دیکھا دیکھی۔ البتہ ہندوستان میں اڑوں
پڑوس کی ہمسائیاں یا محلتے کی عورتیں ایک دوسری کو
اما کی کی اما۔ یا۔ ڈھما کی کی خال۔ کہہ کے بچے پکار لیں۔ لیکن
یہ کنیت وقتی ہوتی ہے۔ مستقل نہیں۔ البتہ میاں بیوی میں
وہ بھی ادھیڑ عمر پر پہنچ کے۔ اے جی دیکھو تو۔ اور۔ اے
بھئی سنو تو سہی۔ کے بجائے۔ منی کے ابا زراہیاں آنا۔
یا۔ چمی کی اماں۔ پان تو بنانا وغیرہ کا رواج ہو جاتا ہے۔
جو آخر وقت تک بلکہ بعد تک (اللہ بخشنے) کے اضافے
کے ساتھ نباہ دیا جاتا ہے۔ واقعہ کر بلا کے بعد سے جناب
زمین کی کنیت ام المصائب ہو گئی۔

لقب

جنابِ فاطمہؑ و خیر رسولؐ کا لقب شریف صدیقہ
کبریٰ (برسی سچی بی بی) تھا۔ چونکہ جنابِ زمینِ عظمِ عمل
عادات و خصائل، حرکات و سکنات میں اپنی مادرِ محترمہ



کی زندگی کی زندہ تصویر تھیں اس وجہ سے اُن کا لقب
 صدیقہ صغریٰ اور عصمت الصغریٰ ہے۔
 فضائل انسانی میں عصمت ایک ایسی فضیلت ہے
 جو قدرت کی طرف سے اُنہیں مقدس ذاتوں سے
 مخصوص کر دی گئی ہے جو مخلوق کے لیے کوئی نورانی پیغام
 لے کے آتی ہوں۔ چنانچہ مردانِ اہل بیت میں جنابِ
 رسول خداؐ کے بعد شہداءِ اُمت پر صبر کرنے کا نمونہ
 بارگاہِ احادیث سے حسینؑ شہیدؑ کر بلا کو عنایت ہوا۔ اور
 زنانِ اہلبیت میں جنابِ فاطمہؑ کے بعد اُن کی دخترِ محترمہ
 جنابِ زینبؑ نے جوہرِ صبر میراث میں پایا۔
 تیسرا لقب 'شریکہ الحسین' ہے۔ یہ لقب بہت مناسب
 معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اُن کو ابتداء ہی سے اپنے مانجھے حسینؑ سے خاص انسیت
 تھی یہاں تک کہ عہدِ طفلی میں بھی اگر بھائی کو دیکھے ہوئے
 عرصہ گزر جاتا تھا تو بیاب ہو جاتا کرتی تھیں۔ اور جب تک
 دیکھ نہ لیتی تھیں چین نہیں آتا تھا۔
 اسی طرح جہادِ نفسانی و روحانی میں وہ کر بلا سے مشفق

حسینؑ کی شریک رہیں عصمت و طہارت۔ علم و فضل و فصاحت و بلاغت، لب و لہجہ غرض ہر پہلو سے دین حق کی ذمہ دارانہ کسوٹی پر پوری اتریں۔ دوسرے القاب نائبہ الزہراء عقیلہ بنی ہاشم وغیرہ ہیں۔ ابن عباسؓ نے جب کوئی حدیث جناب زمینت کے حوالے سے بیان کی ہے تو اسی لقب سے یاد کیا ہے۔ حدیثی عقیدتنا زینب کذا و کذا (ہمارے خاندان کی عقیدہ خاتون زینب نے ایسا ایسا کہا ہے)

جناب زمینت خواتین اسلام کی نظر میں

یوں تو رسالت مآبؐ اور ان کے اہل بیتؑ حسنہ کا مجموعہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک عمدہ دستور العمل ہے جس پر دنیا کے اسلام جس قدر ناز کرے بجا ہے لیکن خواتین اسلام کے لیے شدام و مصائب زندگی کے مواقع پر صبر و تحمل کا جو لائحہ عمل جناب زمینتؑ نے پیش کیا ہے وہ اپنی آپ ہی مثال ہے۔

قدرت نے عورتوں کا دل بہت نرم و نازک خیر سے بنایا ہے جس میں لطیف احساسات اور خوبصورت جذبات کی

ایک دنیا پرورش پاتی ہے۔ کسی وقت اگر وہ کہہ اٹھیں
کہ حفاظت حق کے لیے امام حسینؑ نے کر بلا میں سخت ترین
مصائب اٹھائے تو کوئی کمال نہیں کیا، کیونکہ خداوند عالم
نے اُن کو مردانہ صورت عنایت فرمائی تھی، بردباری و
بہادری جس کے خاص جوہر۔ زخم نیزہ و شمشیر جس کے زیور
ہیں۔ ایسا نہ کرتے تو مرد کیسے تھے۔ اور پھر بنی ہاشم کے
سلسلے سے تعلق رکھنے والے جس میں حمزہؑ و جعفرؑ علی مرتضیٰ
ایسے بہادر اور تلوار کے دھنی گذر چکے ہیں جنہوں نے باقی
اسلام حضرت خیر الانام کے ساتھ کفار سے ایسی ایسی معرکہ
آرائیاں کیں کہ انھیں کا دل جانا ہوگا۔

یہ خیال بہت بجا، نہایت درست۔ لیکن کر بلا کے خونیں منظر
میں جس وقت جناب زمینتؑ کو حسینؑ کے دوش بدوش
دیکھتی ہیں، تو اُن کے چہرے کہلا سے جاتے ہیں۔ دل سوس
کے رہ جاتی ہیں کہ اللہ! زمینت کے دل کو تو نے کیسی
صبر کی دولت عطا فرمائی تھی کہ اس پامردی سے تمام شدائد کا
مقابلہ کیا کہ جہاں مردوں کے چھکے چھوٹ جلتے ہیں۔
فخر، اور سجا فخر ہونا چاہیے زمانِ اسلام کو جناب زمینتؑ

کی ذات پر کہ اُن کی صنف میں بھی ایک ایسی فرد گزری ہے جس نے ثابت کرویا کہ جہاں حفاظت دین حق کا سوال ہو وہاں اسلام کی غور میں بھی اپنے دل و جگر سے وہی کام لے سکتی ہیں جو مجاہدین اسلام کا شیوہ ہے۔ اور اُن کو بھی رسول اللہ کے سامنے سرخرو ہونے کا ویسا ہی موقع حاصل ہو سکتا ہے، جیسا شہیدان اسلام کو۔ مانا کہ حالات جناب زمینت واقعہ کر بلا کے سلسلے میں عام مسلمانوں کو اور خاص کر خواتین اسلام کو حزن و ملال کی دعوت دیتے ہیں؛ لیکن اس تالیف میں کوشش کی گئی ہے، اور غالباً کامیاب کوشش کہ بعض مواقع پر حق پسند مسلمانوں کو فرحت و روحانی بھی حاصل ہو جائے۔ اور اہل بیت سے محبت رکھنے والی خواتین کے چہروں پر خاتون کر بلا کے اسلام پر ورکار ناموں سے نشاۃ کے آثار پیدا ہو جائیں۔

تعلیم و تربیت

بچوں کے جسمانی نشو و نما کے ساتھ اُن کے ذہن و ادراک کی ابتدائی ترقی کی مناسبت سے علم و ادب کی

تعلیم بھی ضروری چیز ہے جس کے بغیر انسانیت اڑھوی
 رہ جاتی ہے، بلکہ بعض موقعوں پر تو بالکل غائب
 ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ ماننا کہ قدرت نے
 انسان کو مخلوقاتِ عالم میں بہترین صورت عیانت
 فرمائی ہے اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
 تَقْوِيمٍ ہ فرما کے اُس کا دل خوش کیا ہے۔ مگر وہ
 ظاہری جمال کس کام کا جس میں باطنی حسن نہ ہو۔ وہ میرا
 کس مصرف کا جس کے پہلوؤں پر تڑپ نہ ہو۔ وہ آفتاب
 کس کام کا جس میں چمک نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ انسان انسان
 نہیں جس میں علم نہ ہو۔ علم چونکہ ایک ملکہ شریفہ ہے، لہذا
 ہر شریف خاندان یہ چاہتا ہے کہ اُس کے گھرانے میں
 اس دولت کی کمی نہ رہے۔ اس مقصد کے ماتحت کسی
 ممکن کوشش سے وہ دریغ نہیں کرتا۔ اگر کامیاب ہو جاتا
 تو اُس کا بلکہ اُس کے آباؤ اجداد تک کا نام روشن
 ہو جاتا ہے۔ خصوصاً علیم دین جس کے متعلق مروی
 ہے کہ اگر خاندان میں ایک عالم دین پیدا ہو جاتا ہے
 تو خداوندِ عالم اُس کے آباؤ اجداد کی ارواح پر بارش

رحمت کرویت ہے۔ ان کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ لڑکیاں کو صرف مذہبی تعلیم و پنا ضروری سمجھتے تھے۔ مگر موجودہ دور میں لڑکیوں کو لڑکوں کے ہم درجہ تعلیم و لائے جانی ہے، حتیٰ کہ اعلیٰ درجے کے امتحانات کی سندیں کسے دی جاتی ہیں تو ہلی صفیں اسی صنف سے زمینت پائی ہیں۔

بھلا میں جناب زمینت کی تعلیم کے سلسلے میں اس پاک کھروالوں کا کیا ذکر کروں جن کی نورانی آنکھیں صحیفہ قدرت کا گہرا مطالعہ کر چکی تھیں۔ جن کی زبانیں علوم نبوت کے سرچشمے تھے؛ جن سے عرب و عجم کے پیامبر اب ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنے بچوں کی زمینت روحانی کے لیے وہی تدابیر اختیار کیں جن کی مسلمانوں کو تلقین کی گئی تھی یعنی کَلِّبِ الْعِلْمَ فَرِيضَةً عَلَى كُلِّ مَسْلُومٍ وَمُسْلِمَةٍ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے حصول تعلیم فرض ہے۔ خاتونِ جنت کے گھر میں اللہ کے دیے دو چاند سے فرزند تھے جن کے پڑھانے والے عالم ربانی علی مرتضیٰ ایسے فصیح و بلیغ باب موجود۔ جن کے متعلق علمی دنیا

کہتی تھی "تَنْطِقُ الْحَكَمَاءُ صَنِ لِسَانِهِ" (حکمت
علی بن ابی طالب کی زبان کے ذریعے سے بولتی ہے)
کیا اٹھا رکھا ہو گا!

کتاب اہل بیت میں حسن اور حسین کے پہلو میں
ایک نئی اور اپنی نوعیت کی پہلی طالبہ علم نظر آرہی ہے۔
وہ کون۔ وہ معصومہ زمینت۔ اس بی بی نے اپنے
بھائیوں کے ساتھ مدارج علوم ظاہری و باطنی طے
کیے تھے۔ چنانچہ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ
ایام خلافت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب میں کوفے
کی خواتین اسلام حضرت زمینت کی خدمت میں آیا کرتی
تھیں۔ آپ سے تفسیر کلام اللہ سنتی تھیں۔ اور قلوب
کو نور کرتی تھیں۔ ایک روز حسب معمول تفسیر بیان فرما
رہی تھیں، اتفاق سے پدر بزرگوار نے اپنی نور نظر کی
تقریر سنی، بہت خوش ہوئے۔ بعد ختم تقریر پوچھا۔ بیٹی!
تفسیر کبھی بیان کر رہی تھیں؟ عرض کی۔ "ہاں
بابا! علی مرتضیٰ نے فرمایا۔" ان مقطعات میں اور اموز
ایسے بھی ہیں جن کا تھیں علم نہیں۔ عرض کرتی ہیں بابا وہ

کیا ہیں۔ فرمایا ”آل محمد پر آئندہ شراڈ و مصائب آنے والے ہیں جن کی طرف اُس میں خداوندِ عالم نے اشارہ فرمایا ہے۔ اُس کے بعد سارا واقعہ کربلا بیٹی سے بیان فرما دیا۔ جس سے جنابِ زمینت بہت متاثر ہوئیں۔ (خصائصِ زینبیہ)

لطیفہ علی

علامہ شوشتری (مجالس المؤمنین) میں تحریر فرماتے ہیں: ”ایک مرتبہ بچپن میں جنابِ زمینت اور جنابِ عباس علی بن ابی طالبؑ کے دونوں پہلوؤں پر بیٹھے تھے۔ حضرت نے جنابِ عباسؑ سے کہا: ”کہو واحد (ایک)“ عباسؑ نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر فرمایا: ”کہو اثنین (دو)“ عباسؑ نے عرض کی: ”بابا مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہا ہے اُس سے دو کہوں“ (دریائے توحید کے شہسوار علی بن ابی طالبؑ اپنے فرزند کے اس جواب سے وجد کرنے لگے اور وہیں مبارک چوم لیا) فوراً ہی جنابِ زمینت نے عرض کی: ”بابا! آپ تو

ہم سے محبت کرتے ہی ہونگے۔ فرمایا ”بے شک زینتِ
نے عرض کی: ”بابا دو کی محبت ایک دل میں کیونکر ممکن ہے۔
اصلی محبت تو محبتِ خدا ہے۔ آپ کا نورانی دل جس سے لبریز
ہے۔ اب رہی ہم لوگوں کی محبت۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ
خداوندِ عالم کی طرف سے آپ کی ذاتِ اولاد کے لیے
مرحمت و شفقت کا سبب قرار دی گئی ہے اَلْحُبُّ لِلّٰہِ
وَمِنْہُکَ الشَّفَقَةُ عَلَیْنَا“ ولایتِ مآبِ مُسکرا دیے۔
اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فاطمہ کی یہ نورِ نظر علم و
فضل کے اعلیٰ منازل طے کر چکی تھی۔

تعلیم کا تو یہ حال تھا۔ رہی تربیت۔ وہ بھی تسوئیت
کے بہترین اصول سے عمل میں آئی۔ چنانچہ جس وقت جناب
فاطمہؑ ہر اُکا انتقال ہوا، اُس وقت جنابِ زینب کی عمر
تقریباً پانچ سال کی ہوئی۔ پیدائشی ذکی اور ذہین لڑکی
اس عمر میں بھی اچھی خاصی باتیں ہو جاتی ہیں اور مینا سی بولنے
لگتی ہیں۔ خاص کر گھر کی بڑی بوڑھی کی تربیت کا اثر لینے لگتی
ہیں۔ اور بہت جلد دسوں انگلیاں دسوں چراغ کا مصداق
ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ کم سنی میں خانہ دار کی آنکھوں میں

بہت زیادہ نہیں پڑتیں۔ لیکن آئندہ زندگی کا ایک
 دھندلا سا خاکہ اُن کے ذہن نشین ہونے لگتا ہے۔ اس کا
 ثبوت یہ ہے کہ جب گھر بار سنبھالنے کی اپنی باری آتی
 ہے تو اُس وقت کو یاد کر کے۔ عیدِ بکرید، شادی بیاہ
 کے موقع پر اکثر شوہر کو سنا دیتی ہیں "اللہ بخشنے جو کچھ
 میں نے اپنی اماں کو کرتے دیکھا ہے ایسی زندگی تک
 تو میں بھی وہی کرونگی۔ میرے بعد چاہئے جو کچھ ہوتا ہے
 یہ بات وہ ہے جو کنبے میں ہوئی ہے۔"
 قانونِ تمدن کے اعتبار سے مردوں کے معاملہ
 کو چھوڑ کے ایک بچہ کے پُرسے گھر کی عزت اُس خاندان
 کی بڑی بوڑھی کے دم ٹٹے بستہ ہوتی ہے۔ اور وہ بال بچے والی
 ماں کی ذات ہے۔ ایک سنجیدہ اور نیک بی بی اپنے
 گھر کی چار دیواری میں اچھی خاصی چاند بی بی ہوتی
 ہے۔ اور قریبی تعلقات کے اعتبار سے اپنی محبت کی
 دنیا کے رہنے والوں پر بے لاگ حکومت کرتی ہے۔ ماں
 باپ ساس، سرے اگر اتفاق سے زندہ ہیں اور معذور
 علیل ہیں یا صاحبِ فراش۔ تو اُن کی محبت طبعی یعنی کھلی سی

ہو کے رہ جاتی ہے جس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت
 نہیں ہوتی۔ اُن کا زندہ ہی رہنا غنیمت سمجھیے۔ لیکن
 چلتے پھرتے محبت کے محبتے بھائی بھابھ 'نزد مذوئی'
 جیسے جھٹانی، دیور دیورانی ہیں ان سب کے ساتھ ایک
 گھر کی خاتون کو تعلقاتِ محبت قائم رکھنے کی سخت ضرورت
 ہوتی ہے۔ یہ اُس صورت میں کہ حُسنِ اتفاق سے سب ایک
 ہی جگہ رہتے ہوں۔ اگر نزد جھٹانی بھی اٹھ رکھے وہیں موجود
 ہیں تو گھر کی بی بی کے لیے اُن کے رکھ رکھاؤ کا معاملہ ایک
 سخت الجھنے کا سوال حل کرنے سے کم مشکل نہیں۔ خیر۔
 ان دونوں سے تو کسی طرح بڑھ جاتی ہے۔ لیکن حقیقت تو
 یہ ہے کہ نیک طبیعت بی بیوں کو چھوڑ کے۔ آخر میں ذکر
 کی ہوئی بی بی (دیورانی) کا معاملہ بڑا پیڑھا ہوتا ہے۔
 بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ گھر میں ہی ذاتِ شریف
 جنگ و جدل کی غضبناک دیوی بن جاتی ہے اور شیرازہ
 محبت بکھر جاتا ہے۔ یہیں گھر کی بڑی بوڑھی کی عقلندی۔
 اداسی اور تدبیر منزل کا پتہ چلتا ہے۔ اگر اُس کے
 برتاؤ سے سب خوش ہیں تو گھر و شک و جھگڑا نہیں۔ اگر ناراض

تو میدانِ قیامت سے بدتر!

اگر خلافتِ ادب نہو آئیے، ذرا اہل بیت رسول
کا جائزہ بھی لیتے چلیں، اور مردوں کو چھوڑ کے محترم خواتین
کے طرزِ تمدن پر نظر ڈالیں۔ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ لاکھ
جہان بنان کی جائے اُن کے حرکات و سکنات اور
اقوال و افعال کی حرف گیری طاقتِ بشری سے باہر
ہے۔ کیونکہ وہ گھر تو زمانِ اُمت کے لیے حسین تمدن کی
مثال تھا۔

بازا مصر میں چل یوسف کا سامنا کر کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائیگا چلیں

اللہ کی مقبول ترین بندیاں

اسلام کے اربابِ خبر متفق ہیں کہ بقولِ رسالہ کتاب
اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ مِنْ النِّسَاءِ اَرْبَعَةً مِّرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ
آسیہ بنتِ مزاحم۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد۔
ان چار بیبیوں کا رتبہ اللہ کے نزدیک تمام عالم کی
عورتوں سے زیادہ ہے (اس قسم کی ایک حدیث بی بی
عائشہ سے بھی مروی ہے)

حضرتِ مریم۔ اس وجہ سے پیشِ خداوندِ عالم

صاحبِ عزت ہیں کہ اُن کے لطنِ مبارک سے جنابِ عیسیٰ
روحِ اللہ پیدا ہوئے (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي)۔
حضرت آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون) اس سبب
سے مقبولِ خدا ہوئیں کہ وہ ماقویٰ حیثیت سے حفظِ نبوت
کا سبب قرار دی گئی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کے یہ انکی
آغوشِ ماں کی گود بن گئی تھی کہ بڑے بڑے نازک مقول
یراں جناب کو فرعون کی تیغِ ظلم سے بچایا۔ اگر وہ نہ ہوتا
تو کیا ہوتا؟

حضرت خدیجہ بنت خویلد (زوجہ رسالتِ مبارک) اس وجہ
سے منظورِ نظر باری ہوئیں کہ اُس کے آخری محبوب کی
محبوبہ تھیں۔ دوسرے یہ کہ اُنھوں نے اپنی تمام دولت
ترقیِ اسلام کے لیے وقف کر دی تھی۔ رسول کے اہلبیت
میں بھی کچھ دل شریک رہیں۔ تیسرے یہ کہ اُن کے لطنِ
مبارک سے جنابِ فاطمہؑ ایسی بی بی پیدا ہوئیں جن کو
سیدہ عالم کہتے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ (بنتِ محمدؐ) آفتابِ رسالت کی روشنی
ماہتابِ امامت کی ہمدوش، حسن و حسینؑ، زینبِ ام کلثومؑ

رقیہ و محسن کی والدہ۔ صاحبہ آیہ تطہیر انما یرید اللہ
لیذہب عنکم الریحین اهل البیت و یطہرکم
تطہیراً۔ اللہ کے نزدیک وہ اور ان کے چچے پاک
اور پاکیزہ ہیں۔

مجھے انھیں خاتون محترمہ کو دیکھنا ہے کہ خاندان کے
پہوٹے بڑوں سے ان کا کیا برتاؤ تھا۔ اُمت کے لوگ
ان کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ گھر کے مختلف معاملات میں
ان کا کیا رویہ تھا۔ اور خانہ داری کی کیا حیثیت تھی۔
اس وجہ سے کہ ہمیں جناب نہایت کو انھیں معصومہ کے
دامن تربیت اور کردارِ حسنہ کی روشنی میں دیکھنا ہے۔
مشہور ہے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لَا یُبْدِی۔ فرزند ایک
کھلا ہوا راز نہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اَلْبَشَرُ سِرٌّ لَا یُخْفَا
سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ دُرّ کی اپنی ماں کا پر تو ہوتی
ہے، چونکہ ذکر جنابِ فاطمہ مقصودِ تالیف میں لہذا خوفِ
طوالت مختصر ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

باب سے برتاؤ

رسالت مآبِ اپنی نیک بیٹی سے ہر قد خوش تھے کہ

جب مسجد میں تشریف لائی تھیں تو سروقہ عظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ مستند احادیث رسول اُن کی فضیلت و شرف کی سند ہیں۔ اسی طرح جناب زمینت نے اطاعت و احترام علی بن ابی طالب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اور وہ جناب بھی اپنی پیاری بیٹی سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

شوہر سے برتاؤ

رفاعت علی رضی میں تمام زندگی بسر کی۔ فقر و فاقہ میں اُن کی شریک رہیں۔ دوسری عورت ہوتی تو برفع سنبھال کے اٹھ کھڑی ہوتی اور کہتی: بندی کا سلام لیجئے۔ بس اب خانہ آباد دولت زیادہ۔ مگر یہاں تو کچھ اور ہی عالم تھا۔ نورانی ذاتوں سے گھر آباد۔ دولت معرفت سے دلوں کے خزانے معمور۔ فاطمہ ایسی جامع الصفات ہستی نے تو شرف علی رضی میں چار چاند لگا دیے تھے۔ شوہر و زوجہ کی محنت سے جو اکل حلال میسر ہوتا تھا اچیر صبر و شکر کر کے زندگی بسر ہوتی تھی۔

سید بن طاووس نے جو احادیث رسول کے ثقات رجال میں شمار کیے جاتے ہیں ایک روایت قلمبندی ہے کہ ایک دفعہ

علی بن ابی طالب مسجد سے گھر میں تشریف لائے۔ شدت
فاقہ سے قدم ٹکڑا رہے تھے جناب فاطمہ سے پوچھا
کچھ کھانے کو ہے انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ آنجناب
نے کہا: ۵

دو رہن کو یا اپنی رو یا میری شہر

کڑے کنگن کہاں دھرے تھے جو گرد میں رکھ دیے جاتے۔
لے دیکے علی تھی یا چادر، زرہ تھی یا شمشیر وہ پیکرِ اور راہ
خدا پر جہاد کرنے والے کا گھر۔ فاطمہ کو گوارا نہ ہوا کہ اس
عرب کے سورا کی بیٹی، برتہ خالی پڑا رہے؛ اگر گدے مسجد
سے ھٹو الجھاد کی اچانک آواز آگئی تو کیا ہوگا؟
(انہیں مغور نے الفاظِ مناسب میں یہ واقعہ بول نظم کیا ہے:)
زہرا نے کہا تیغ میں دوں رہن کو کیونکر

اعدا سے جہاد آپ کیا کرتے ہیں اکثر

یہجا نے حاضر ہے یہ سر کی مرے چادر
زہرا سے روا لے کے چلے حیدرِ صند

فاقہ سے نہ نگلیں تھے نہ عسرت کا گلا تھا
ہر گام پر تسبیح تھی اور ذکرِ خدا تھا

قاعدہ ہے کہ بچوں کے کپڑے عید بقدر عید کے لیے مقدس
سے زیادہ قیمتی بنا دیے جاتے ہیں جو اکثر اوقات
والدین کی ضرورت کے وقت زمین بھی کر دیے جاتے
ہیں۔ مگر وہاں تو بقول انیس حسنین کا یہ عالم تھا کہ:
کرتے کبھی ثابت نہیں دیکھے بدنوں میں

یہ چاند سے پھرتے تھے پھٹے پریموں میں
فقر و تنگدستی کی یہ حالت۔ نصرت اسلام کا یہ جذبہ۔ دولت
فناوت کے یہ خزانے بھلا کس کو میسر ہوئے؟
جناب فاطمہؑ نے محترم شوہر کی آواز پر کبھی آواز بلند
نہیں کی۔ اگر کوئی شکایت ہوئی تو اُسے بھی ایک از معصوم
سمجھتے۔ جس کا علم سوائے رسولؐ کے اور کسی کو نہیں ہوتا
تھا۔ بلکہ بعض اوقات گوشِ رسولؐ بھی اُس سے آشنا
نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ رسول اللہؐ
خانہ فاطمہؑ میں تشریف لائے۔ (معلوم بلائے ہوئے
بابا قضاے محبت) بیٹی کی صورت دیکھ کے کچھ مانگے
پوچھا: ”علی کہاں ہیں؟“ جواب ملا: ”بابا معلوم نہیں۔“
آنحضرتؐ تلاشی بران میں نکل کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ فرش

زمین پر مسجد میں آرام کرتے ہوئے پایا۔ اس طرح کہ کروڑوں
بدلنے میں جسم مبارک کچھ خاک آلود ہو گیا تھا۔ مسکرا کے
فرمایا: ”قُمُ يَا ابْنَتُ آبٍ - پھر اپنے ہمراہ گھر لے آئے۔
گویا کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اسلام نے خاندانی یا ازدواجی
بد مزگیوں کو سدھارنے کا ذریعہ بزرگوں کو قرار دیا
ہے۔ اگر اس پر بھی عمل درآمد ہوتا رہے تو ہزاروں
قسم کی تباہیوں کا سدباب ہو جائے۔

انھیں بے نظر تعلقات کی بنا پر بعد وفات جناب
فاطمہ علی مرتضیٰؑ زندگی بھر یاد کر کے رویا کیے۔ ذیل میں
اُس درد انگیز مرثیے کے اشعار درج کیے جاتے ہیں
جو بعد دفن جناب فاطمہ علی بن ابی طالبؑ نے جنت
انگیز گھر کو دیکھ کے نظم فرمائے تھے:

ادری علل الدنیا علی کثیرۃ وصاحبہا حتی المات غلیل
وان افتقادی فاطمًا بعد احمد ذلیل علی ان لا یدوم خلیل
(ترجمہ: میں دیکھتا ہوں کہ مصائب کی ایک دنیا مجھ پر
ٹوٹ پڑی مگر میں سے مرتے دم تک مجھے چھٹکارا نصیب
نہیں ہو سکتا)

وفاتِ رسول کے بعد فاطمہ کی جدائی نے ثابت کر دیا
کہ سچی محبت کرنے والا ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔

حضرت جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ وفاتِ جناب
فاطمہ کے بعد علی مرتضیٰ روزانہ اُن کی قبرِ مطہرہ پر تشریف
لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز بخود وہی غم میں مد پر
سر رکھ کے فرمایا: لکھا:

ما لي مِرَّةٌ عَلَى الْقَبْرِ سَلَامًا قَبْرُ الْحَبِيبِ وَلَمْ يَرْجِعْ رَاجِي
يَا قَبْرَ مَالِكٍ لَا تَحْبِيبُ مَنَادِيَا اَمَلْتُ بَعْدِي خَلَّةَ الْاَحْبَابِ
”یہ مجھ پر کیا مصیبت ہے کہ جب میں قبرستان سے اپنے
دوست کی قبر پر سلام کرتا ہوں گزرا تو اُس نے جواب
سلام تک نہیں دیا۔“

”اے قبر تجھے کیا ہو گیا۔ کہ پکارنے والے کو جواب
نہیں دیتی کیا میرے جانے کے بعد تو نے میرے
دوست صادق کو مجھ سے برگشتہ کر دیا۔“

بقیع کے ایک گوشے سے آواز آئی: ”معلوم کس کی تھی؟“

قال الحديث كيف لي بحبابكم وانا دهيٰ بن جابر وقراب

اكل التراب محاسني ففتكم ومحببت عن اهلي وائرا جي

فَعَلَيْكُمْ صَنِى السَّلَامُ تَقَطَّعَتْ مِثْنِي وَمِنْكُمْ خَلَّةٌ اَزْ حَبَابِ
 دوست نے کہا: یہ تو سوچو؛ میں تمہیں کیونکر جواب دوں۔
 دران حالیکہ ہم مرنے والے پتھروں اور ڈھیروں مٹی کے نیچے
 دبے پڑے ہیں رستی کی تمام خوبیاں خاک میں مل گئیں۔ پس
 تم کو ہم بھول گئے۔ اور اعزۃ الاحباب سے روپوش ہو گئے۔
 اب سلام قبول کرو۔ کیونکہ باہمی رشتہ اُلفت منقطع ہو چکا۔
 قاعدہ ہے کہ اگر کسی بی بی نے شوہر سے زندگی میں اچھا
 سلوک کیا تو اس کی یاد ہمیشہ رہتی ہے۔ اگر اس کے خلاف ہوا
 تو خیر رسمی طور سے سب کچھ کر دیا جاتا ہے۔
 اسی طرح عبداللہ بن جعفر کو جناب زمینت کے حسن سلوک
 پر بجا فخر تھا۔

خانہ داری میں ان خاک اور اولاد کی دیکھ بھال

یوں تو اس پاک گھر والوں کا بیشتر وقت عبادت و ریاضت
 تھا وندی میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن خانہ داری کی ضروریات
 خصوصاً جناب فاطمہؑ کا کچھ زیادہ وقت لے لیا کرتی تھیں۔
 کبھی چرخہ لپکے بیٹھ گئیں اور تھوڑا سا سوت کات لیا یا پاک
 چکی چکی تھیں جو کبھی چلی کبھی نہیں۔ دوسرے چوٹھا جو کبھی گرم ہوا

کبھی ٹھنڈا پڑا ہوا پھر جو کچھ ان دونوں کے استعمال سے حاصل ہوتا، تو گویا مساکین مدینہ کی مراویں برائیں اور گھر والے تسبیح شکر پڑھ کے سو رہتے۔ ملی تو روزی نہیں تو روزہ۔

اس زمانے میں بھی سلامتی سے ہر گھر کی بی بی امویہ خانہ داری میں مصروف رہتی ہے (جی پیتا تو پڑانا دستور تھا اس کا کیا ذکر) اگر کھانے پینے پھٹے اور ہنسنے میں اتفاق سے کسی شے کی کمی ہوئی تو یکم صاحبہ کی ناک بھوں پر چڑھ جاتی ہے۔ ریا چرخہ، تو یہ کاتا کوئی آجکل کے بیگماتی تمدن سے خارج ہے۔ ہاں، تیلیوں اور قریشیہ سے بے شک گھر کی چھوٹی بڑی یکم شغل فرمالیا کرتی ہیں۔ لیکن موٹی چھوٹی سوئی بچھی کس شمار قطار میں، اس کے کھر کھرے دھاکے سے تو چٹکیاں چل جاتی ہیں۔ ہاں نرم ولایتی اون کی لچھیاں ہوں تو کیا کہنا۔ اگر وہ بھی موجود ہی تو ایک سوٹریا بنیان کی تیاری آندھی روک ہو جاتی ہے۔ آج جی نہیں چاہتا ہے، منہ دکھتا ہے۔ چلو چھٹی ہوئی۔

اب پرورش اولاد کی طرف آئیے، اور صرف ذیل کے واقعے سے نتیجہ نکال لیجیے۔ کہاں تک قلم لوگوں۔

یہ واقعہ لکھنا ہی پڑتا ہے کہ: ایک روز جناب بلالؓ (موزی
 رسولؐ) نماز صبح کے لیے مسجد میں دیر کر کے پہنچے۔ حضرت نے
 فرمایا: ”ہائیں بلال کہاں تھے؟“ بلالؓ نے عرض کی: ”یا
 رسول اللہؐ میں گھر سے تو ٹھیک وقت پر چلا تھا، لیکن
 آپؐ کی نورِ نظر کے دروازے سے سے جو گزرا تو میں نے سنا
 کہ چکی کی آواز کے ساتھ ساتھ شہزادے کے رونے کی
 آواز بھی آ رہی ہے۔ خادم بتول تو ہوں ہی۔ دروازہ
 کھٹکھٹانے لگا۔ آواز آئی: ”آؤ بلال۔“ اندر پہنچا تو کیا
 دیکھتا ہوں کہ میری شاہزادی ایک ہاتھ سے چکی میں
 رہی ہیں، اور دوسرے ہاتھ سے اپنے لختِ جگر کو ہیلو
 پر دسے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کی: لائے میں
 آپؐ کا کام بٹالوں، اجازت دیجیے، یا تو چکی پیسوں،
 یا شہزادے کو میری گود میں دیدیجئے تاکہ اس وقت
 تک بہلاؤں جب تک آپؐ چکی سے فارغ ہوں۔ یہ سن کر
 نے فرمایا: ”بلال اگر تمہیں اصرار ہے، تو خیر۔“ لہذا میں دو
 میں اپنے لال کو خود بہلا کے خاموش کر لوں گی۔ یہ ماجرا
 سنا، تو رسول اللہؐ آبدیدہ ہو کے رہ گئے۔ فرمایا: ”

یا بلالؓ جزا کے اللہ خیرا۔

یہ تھا غریب گھر کی ضروریات پوری کرنے میں اُس
بی بی کا انہماک۔ اور یہ تھی پرورشِ اولاد کی جانب توجہ۔
راحت کا تو کیا ذکر (باپ سے لونڈی خرید دینے کا سوال
کیا تو تسلیح کی برکت ملی) ہے تو یہ کہ زندگی بھر دکھ ہی کو سیکھ
سمجھیں۔ اُس نیک بی بی پر اللہ کی لاکھوں رحمتیں! فاطمہؓ
کی ذاتِ زمانِ اسلام کے لیے وہ کسوٹی ہے جس کے
ذریعے سے وہ اپنے افعال و کردار ہر وقت پرکھ سکتی ہیں۔
اصل تو یہ ہے کہ جس طرح خمسہ نجبا (پنجتن پاک)
محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ ہیں۔ اسی طرح خاندانِ
رسالت کی پانچ بی بیاں (خمسہ نجبات) پنج زنِ پاک
کہلائے جانے کی مستحق ہیں۔

حضرتِ آمنہؓ (مادرِ محترمہ رسولؐ) حضرت خدیجہ بنت خویلد
(مکہ جہ آئہ حضرت) حضرت فاطمہ بنت اسدؓ (مادرِ محترمہ
حضرت علیؑ) حضرت فاطمہؓ (بنتِ رسول اللہ حضرت
زینبؓ) (بنتِ علیؑ) پنجتنِ پاک کے فضائل کی طرح
ان میں سے ہر معصومہ کے فضائل سے اسلامی

کتا ہیں بھری پڑی ہیں۔

قول امام رازیؒ

حضرت الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ رسول کے ساتھ
پانچ چیزوں میں برابر ہیں: "نماز میں شہد کے وقت دونوں
صلوات بھیجی جاتی ہے۔ دونوں پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ دونوں
کی ذاتیں طہارت کی حامل ہیں۔ صدقہ دونوں پر حرام ہے
دونوں کی محبت لازم و ملزوم
کنبہ قبیلے والوں سے برتاؤ

عمدہ عزیزانہ معاشرت کی نشانی یہ ہے کہ بڑے بوجھ
شفقت کریں۔ چھوٹے عزت سے پیش آئیں، اور برابر
والے محبت سے پیش آئیں۔ خاص کر عورتوں کا جذباتی
رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ بڑی خوش قسمت ہے وہ بی بی
جس سے ہر طبقے کے عزیز خوش رہیں۔ جناب فاطمہؑ نے
اپنی زندگی میں کسی عزیز کو ناراض ہونے کا موقع نہیں دیا۔
کنبہ کے بڑے چھوٹے۔ مرد اور عورتیں سب اُن کے
برتاؤ سے خوش رہیں، بلکہ اُن کی ہستی غنیمت سمجھی جاتی تھی۔
اُن کی قایم مقام جناب زینبؑ نے بھی خاندان میں اس

رشتہ محبت و یگانگی کو ایسا قائم رکھا جس کی نظیر شکل سے ملے گی۔ ان دنوں رسولؐ میں حضرت ام سلمہؓ توجناب فاطمہؓ اور ان کے بچوں کی عاشق ہی تھیں۔ اس گھر میں بزرگ کی حیثیت سے رہیں اور ہمیں انتقال فرمایا۔ البتہ جناب عائشہؓ سے رسول اللہؐ کے بعد فوراً ہی بد مزگی کے آثار پیدا ہو گئے اور مختلف وجوہ سے ان کی زندگی کے آخر وقت تک کھٹ پٹ رہی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے علیؓ مرتضیٰ سے جنگ کراوی جو (جناب جبل) کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب غرر والہؒ نے لکھا ہے کہ جس وقت جناب عائشہؓ کے اونٹ کے گرد اگر سخت جنگ ہو رہی تھی اور کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی تھی تو علیؓ مرتضیٰ نے حکم دیا کہ اونٹ کی گوبیں کاٹ دو۔ کسی نے بڑھ کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور اونٹ گرا، اس وقت کسی نے چلا کے کہا اے رسول اللہؐ فی حرمت رسول اللہؐ مسلمانو! خدا کا خوف کرو۔ زوجہ رسولؐ کی بے حرمتی نہ ہو جائے یہ آواز سننے ہی علیؓ مرتضیٰ نے بیاب ہو کے اپنے فرزند امام حسنؑ سے کہا: یا بیتی ہلاکت (بیٹا غضب ہو گیا) امام حسنؑ نے عرض کی

قَدْ نَحْنُثَاكَ عَنْ مُسِيرِكَ (میں نے تو آپ کو یہاں
تشریف لانے سے پہلے ہی منع کیا تھا) علی مرتضیٰ نے فرمایا:
ہم ادری اَنْتَ الامرَ یصلُ الی هذا (مجھے معلوم تھا کہ یہ نوبت
پہنچ جائے گی) اُس پر بھی جناب عائشہ کے حقیقی بھائی محمد
ابن ابی بکر جو علی مرتضیٰ کی طرف سے رڑ رہے تھے حکم دیا کہ
جا کے بہن کی تسلی تشریف کرو۔ وہ آئے اور بہن کو ساتھ لے کے
بصرے چلے گئے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اُس وقت جب شکست خوردہ زوجہ
رسول علی مرتضیٰ کے رحم و کرم پر تھیں آنجناب نہایت عزت
و احترام سے پیش آئے۔ اور اپنے فرزندوں کے ہمراہ نہایت
آرام و آسائش سے مدینہ روانہ کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ جناب فاطمہ کے وقت میں اور ان کے
بعد بھی جناب زینب کے تعلقات کینے قبیلے کے مردوں
اور عورتوں سے خوشگوار تھے۔ آل عباس۔ جناب عقیل کا
گھرانہ جناب جعفر کے سلسلے والے بھی موجود تھے اور اہلبیت
سے شیر و شکر بلکہ آخر الذکر خاندان تو ان کی سسرال ہی تھا
رسول اللہ کے انتقال کے وقت جناب زینب کا

سچ شریف تقریباً پانچ سال کا ہوگا۔ اور یہ پہلی مصیبت
تھی، جو بچپن میں اُن معصومہ پر نازل ہوئی۔ لیکن وفات
آنحضرت کے چھ یا نو ماہ بعد زمینت کے سر پر مصیبت کا ایک
پھاڑ ٹوٹ پڑا۔ یعنی جناب فاطمہؑ ایسی فدائی ماں سے
ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئیں۔

سو سہیلی ماں

مرنے والی جنتی بی بی نے زمینت کی کم سنی اور خانہ داری
کی ذمہ داریوں کا احساس اپنی زندگی ہی میں کر لیا تھا۔ کہ
بچی کیا کیا کرے گی، کیونکہ پورا گھر سنبھالے گی۔ لہذا علیؑ مرضی
سے وصیت فرمادی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی اُمّ صافہؑ
زمینت زمینت بنت رسولؐ سے عقد کر لیں، تاکہ بچوں کی
پرورش اہل دیکھ بھال اچھی طرح ہو سکے۔ چنانچہ حسبِ وصیت
جناب فاطمہؑ علیؑ مرضی نے ویسا ہی کیا۔

وقتِ عقد جناب اُمّہ کی عمر تقریباً پندرہ سال کی
ہوگی۔ یہ محترمہ نہایت عابدہ زاہدہ اور سیکڑ بی بی تھیں۔ اپنی
خالہ جناب فاطمہؑ سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ
اُن کے متعلق لکھا ہے کہ خود رسول خداؐ شہر خوارہ میں

اُن سے بہت مانوس تھے، حتیٰ کہ حالت نماز میں جب وقت قیام فرماتے تھے تو پیاری پیاری آواز کو اپنے کانڈھے پر بٹھا لیتے، جب رکوع فرماتے تو بٹھا دیتے اور بعد پھر کانڈھے پر سوار کر لیتے تھے۔

ان محترمہ نے بعد جناب فاطمہ ایسا گھر سنبھالا کہ باپ و شاید خالہ کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح پالا۔ ورنہ سو سلی ماں، معاذا اللہ بچوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی، اور باپ بیچارہ مجبور۔

یہ مسئلہ قانون الہی ہے۔ کہیں بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جاتا ہے۔ کہیں آغوشِ مادر سے جدا ہو جاتی ہے لیکن خدا نخواستہ اگر کسی کے بچوں کو سو سلی ماں سے سابقہ پڑے تو اللہ جنابِ امامہ کی سی دوسری ماں دے۔ جن سے اولادِ علیؑ کو حقیقی ماں کا مزہ آگیا۔

جنابِ امامہ شہادتِ علیؑ مرتضیٰ تک کو فے میں خوش و خرم رہیں۔ اُن سے ایک صاحبزادے محمد الاوسط بھی پیدا ہوئے۔ اور حسبِ وصیت آنجناب بعد کو مغیرہ بن نوفل (حضرت عبدالمطلب کے پوتے) سے عقد ثانی

کرلیا۔ افسوس ہے کہ آج پیروی علی بن ابی طالب کے مدعی
عقدِ یوگاں کو خاندان کے بے کلتگ کا ٹیکا سمجھتے ہیں جسکی
آڑ میں مختلف اغراض و نیوی کا رفرما ہوتے ہیں۔

سوہ اتفاق سے تو میں نہیں کہوں گا، ہاں حسن اتفاق
سے جنابِ زینت کی کبھی کی سوتیلی ماں ہر پھر کے سوت کی
مسند پر آ بیٹھیں۔ یعنی مغیرہ بن نوفل کی وفات کے بعد عبد اللہ
بن جعفر (شوہر جنابِ زینت) نے امام سے عقد کر لیا۔
اور ایک ہی گھر میں دونوں رہنے لگیں۔ مگر باوجود کوشش نظر
سے نہیں گزرا کہ ان دونوں خاتونوں کے تعلقات ایک دوسری
سے کبھی کشیدہ ہوئے ہوں۔

عقدِ زینتِ عبداللہ بن جعفر سے

بحوالہ تذکرہ ابن جوزی، جنابِ زینتِ کبریٰ۔ اُمّ الحسن
بنتِ فاطمہ کا عقد علی بن ابی طالب نے اپنے چھٹے عبد اللہ
بن جعفر طیار کے ساتھ کر دیا۔ جن کا حسب و نسب تعریف سے
بے نیاز ہے۔ عبداللہ اول تو سائنماب کے چچا زاد بھائی
جعفر طیار کے فرزند تھے جنکے متعلق متفق علیہ حدیثِ نبوی ہے
أَشْبَهَتْ خَلْقِي وَخُلُقِي (جعفر! تم مجھ سے صورتاً اور سیرتاً



دونوں طرح مشابہ ہو (دوسرے حضرت جعفر نے جو وفادار اور اسلام پروری کی ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اَوّل حکمِ رسولؐ مکے سے ملکِ حبشہ ہجرت فرما گئے تھے۔ نجاشی شاہِ حبشہ اور اُس کی بہت سی رعایا نے انھیں کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اُن کا لقب ذوالحجرتین تھا۔ یعنی پہلے حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینے تشریف لائے۔ دوسرا ذوالحجرتین (بقولِ رسولؐ اُن کو جنت میں دو پڑ عنایت ہوئے) شہِ ہجری میں جب فتحِ خیبر کی خوشی تازی تھی جناب جعفر ملکِ حبشہ سے مدینے تشریف لائے۔ رسول اللہؐ استقبالِ جعفر کیا گئے سے لگایا اور فرمایا: "ادری باجھا افروخ بقدا و در جعفر او بختِ خیبر؟" (کونسی خوشی میں زیادہ مناؤں، جعفر کے آنے کی یا فتحِ خیبر کی؟) بہادری کا یہ عالم تھا کہ غزوہٴ مرقہ کے لیے رسولؐ نے لشکرِ اسلام کا سردار بننا کے بھیجا۔ اُس طرف سے شہرِ جہل ایک کثیر تعدادِ لشکر کے ہمراہ مقابلے کے لیے آیا۔ لشکرِ اسلام کی تعداد بہت کم تھی۔ جناب جعفر نے سوچا ایسا نہ ہو کہ مسلمان کثرتِ مخالفین سے مرعوب ہو کے بدول ہو جائیں۔ لہذا

اپنے گھوڑے کی کوپس کاٹ ڈالیں اور پیادہ ہو گئے۔ اللہ
 اللہ! عرقت اسلام کا کیسا خیال تھا؟ (تاریخ جنگ اسلام
 میں یہ پہلا گھوڑا تھا جو عقر کیا گیا) مقصد یہ تھا کہ موت و
 زہیت میں ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ جناب جعفر کی اس روش
 نے شکر اسلام میں شجاعت کی روح پھونک دی۔ پھر ایسے
 جہم کے لڑے کہ دشمنوں کے پیراؤ کھڑ گئے۔ گو اس یادگار
 خونیں معرکے میں زید بن حارثہ اور خود جناب جعفر اور
 عبداللہ ابن رواحہ ایسے علمدار شہید ہوئے لیکن آخر کار
 خالد بن ولید کی تلوار نے فتح اسلام کا ڈنکا بجوا دیا۔

ابن جوزی ابو ہریرہ کی سند سے لکھتے ہیں کہ رسول خدا
 جعفر طیار کو ان کی غربا پروری کے سبب سے ابوالمساکین
 کہہ کے پکارتے تھے، اور فرماتے تھے: خیر الناس
 حمزہ وجعفر وعلی۔

اولاد جعفر پر شفقت رسول

گزشتہ مورخ لکھتا ہے کہ ماتم جناب جعفر کے تین روز
 بعد رسالت آئی ان کے گھر تشریف لائے، اور جناب
 اسماء بیوہ جناب جعفر سے فرمایا: بھائی جعفر کے بچوں کو

میرے پاس بلاؤ۔ لہذا تینوں صاحبزادے محمد، معون و عبد اللہ
حاضر ہوئے۔

محمد کے سر پر دستِ شفقت پھیر کے فرمایا: ”یہ بچہ
اپنے چچا ابوطالب سے مشابہ ہے، معون کے متعلق فرمایا:
یہ فرزندِ صورتِ ثا اور سرِ ثا، محمد سے مشابہ ہے۔ اب عبد اللہ
جعفر کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیا اور فرمایا: ”یا اللہ
جعفر کا بہتر قائم مقام اُن کے اہل کو عنایت فرما“ اور عبد اللہ
کی قوتِ بازو کی کمائی میں برکت دے۔“ جب بچوں کی
ہر کوئی خاموش پایا تو فرمایا: ”الْمُحَافِظِينَ عَلَيْهِمْ الْعَيْلَةُ
رَأْسًا وَلَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (اسماء تم کچھ فکر
نہ کرو، یہ بچے بچے حالوں نہیں رہ سکتے۔ میں دونوں جہاں
میں ان کا ولی ہوں) حتیٰ کہ جب عبد اللہ بن جعفر پر رسول
کی نظر پڑی تھی تو فرماتے تھے: ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنِي ذِي
الْمِحْنَةِ“ (بخاری)

و علیٰ رسول کی برکت

صاحبِ نسخ التواریخ معجزاتِ رسول کے سلسلے میں
لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن جعفر کے حق میں

یہ دعائے خیر فرمائی تھی: ”اللھُمَّ بَارِكْ فِی صَفْقَتِیْ یَمِیْنِہِ“
 (بارِ الہا عبد اللہ کی قوتِ بازو کی کمائی میں برکت عطا
 فرما) ابوالفرج کتابِ اغانی میں اسی دعائے رسول
 کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ صغریٰ میں عبد اللہ نے گیلی
 میں ایک اونٹ بنایا جیسا بچوں کا قاعدہ ہے۔ اتفاق
 سے رسول اللہؐ اوھر سے گذرے۔ پوچھا: ”بیٹے اسے
 کیا کرو گے“ بولے ”فروخت کروں گا۔ دریافت فرمایا
 قیمت کا کیا کرو گے۔ جواب دیا: ”بھجوریں خریدوں گا۔“
 سرورِ دو عالم نے پسُن کے اوپر ذکر کی ہوئی عبد اللہ
 کے حق میں دعا فرمائی۔ جس کی برکت سے اُن کو ہر معاملے
 میں کامیابی ہوئی۔ اور اتنی دولت و شہمت اللہ نے
 دی اور فضیلتِ جود و کرم بخشی کہ سبحان اللہ۔ حتیٰ کہ
 مدینے والے جب کسی سے قرض لیتے تھے تو ادائیگی کا
 وعدہ یوں کرتے تھے: ”جب عبد اللہؐ ہم کو عطا فرمائیں گے
 تو ہم ادا کر دیں گے۔“ اُن کا لقب ہی جو ادا ہو گیا تھا۔
 غرض انھما نص میں عبد اللہؐ بن عمر سے منقول ہے کہ
 امیر معاویہ بن ابی سفیان (حاکمِ شام) امامِ حسنؑ امامِ حسینؑ

عبداللہ بن جعفر ہر ایک کو ایک لاکھ چوالیس ہزار روپیہ سالانہ دیا کرتے تھے۔ بعد وفات معاویہ بن ابی سفیان امام حسینؑ تو تشریف لے نہیں گئے، لیکن عبداللہ بن جعفرؑ یزید کے پاس گئے اور کہا: ”تمہارے والد ماجد مجھ کو ایک لاکھ چوالیس ہزار روپیہ سالانہ عنایت کرتے تھے اور صلہ رحمی ادا کرتے تھے یزید نے جواب دیا: ”نعمًا وکرامتہ“ حکم ہوا کہ اس کی چوگنی رقم عبداللہ بن جعفر کو دیدی جائے۔ رقم پا کے یہ تو مدینے روانہ ہو گئے۔ درباریوں میں سے کسی کوتاہ میں نے یزید کو مخاطب کر کے کہا: ”اس ایک فردنیہاں کو اور اتنی رقم سالانہ؟“ یزید تیوری بدل کے بولا: ”وہجک“ (ابے تو کیا جانے) میں نے یہ رقم عبداللہ بن جعفرؑ کو نہیں دی، بلکہ تمام مدینے کے رہنے والوں کو دی ہے۔ اُن کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، کہیں یہ رقم باقی رہ سکتی ہے۔ وہی ہوا جب یہ مدینے پہنچے تو قرضداروں۔

ضرور تمندوں، اور محتاجوں میں کوڑی پھر گئی کہ عبداللہ جو اولدے پھندے آگئے۔ اب کیا ہے؟ چاندی! یہ حضرت اچھی طرح دولت سرا میں آرام بھی لینے نہیں پاسے تھے کہ

دروازے پر بکھیر ہو گئی۔ لکھا ہے کہ ہینے کے آخر تک
اُس آفتابِ کرم نے ضیا پاشی فرما کے تمام کیسے ہای نہ
خالی کر دیے۔

یزید کے خاص پرچہ نویسوں نے اطلاع دی کہ سب
مال ہوا ہو گیا۔ اُس نے معترضین کو سخاوتِ عبداللہ کی
خبر دے کے اُن کی بھانجی مارنے پر بڑا ڈانٹا پھسکارا۔
سخاوتِ جنابِ عبداللہ

مولانا جامی (بہارِستان) میں لکھتے ہیں کہ جناب
عبداللہ سخا و کرم میں مشہور وقت تھے۔ کسی سفر میں جا رہے تھے۔
راستے میں ایک کچھوڑ کا باغ بڑا سواری سے اتر پڑے اور
باغ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں سے گفتگو کی اور ادھر ادھر
ٹہلنے لگے۔ دیکھا کہ ایک حبشی غلام باغ کی بکھوالی کو رہا ہے۔
اسنے میں مالک کے گھر سے کھانا آیا جس میں صرف دو
روٹیاں تھیں۔ اتفاق سے ایک گنا بھی آکھڑا ہوا۔
غلام نے ایک روٹی اُس کے سامنے رکھ دی۔ اُس نے
کھالی پچھر بھی ڈھارہا۔ اُس نے دوسری بھی دیکھ لی۔ جناب
عبداللہ نے پوچھا: ”تمہاری روزانہ غذا کیا ہے؟“ اُس نے

جواب دیا: ”جو آپ نے دیکھی۔“ پھر پوچھا: ”تم نے اس کتے کو اپنے نفس پر کیوں ترجیح دی کہ خود بھوکے رہے؟“ اُس نے جواب دیا: ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ غریب دور سے سفر کر کے ہماری سستی میں بھوکا پیاسا آیا ہے۔ مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں کھالوں اور یہ بھوکا رہے۔ جناب عبداللہ نے پوچھا: ”پھر تم آج کیا کھاؤ گے؟“ وہ بولا ”کچھ نہیں“ اللہ کے واسطے روزہ رکھ لوں گا۔“

یہ سن کے آنجناب نے اپنے دل میں کہا لوگ تو بھی کہا کرتے تھے۔ یہ غلام تو مجھ سے بھی زیادہ سختی نکلا۔ رگ ہانی میں جوش سخاوت اور منڈ آیا، تختان اور غلام دونوں کو اُن کے مالک سے خرید لیا۔ اور اُس بندہ خدا کو آزاد کر کے باغ بھی اُسے مرحمت کر دیا۔

آنحضرت جناب عبداللہ اور اُن کے دوسرے بھائیوں پر ہمیشہ رسول اللہ کی نظر شفقت و کرم رہی۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد اُن کے ساتھ وہی شفقانہ سلوک علی مرتضیٰ نے جاری رکھا۔ جناب عبداللہ کی جب مہسبیں بھیکنے لگیں تو تمام نوجوانان

بنی ہاشم میں اُن کے رنگِ صبح، حُسنِ کردار، حُشمتِ مال اور سخاوتِ بیکراں کے چرچے ہونے لگے اور علی بن ابی طالب نے بھی اور زیادہ خصوصیت کا برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔

اور جنابِ زینبؓ بھی مسیانی ہوئیں اور اپنی ہممہوں میں دسویں انگلیاں دسویں چراغ کا مصداق ہو گئیں۔ بعد ازاں بن جعفر نے بزرگانِ فائداں مثلاً محمد بن حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس کے مشورے سے خدمتِ علی مرتضیٰؓ میں جنابِ زینبؓ سے پیامِ عقد و پیرا چنانچہ اُنھوں نے موافق ارشادِ نبویؐ اظہارِ رضا مندی کر دیا۔

وصیتِ رسولؐ

لکھا ہے کہ ایک روز رسالتِ مآب کی نظرِ اولادِ جعفرِ طیارہ اور اولادِ علی بن ابی طالب پر پڑی۔ ارشاد فرمایا: ہمارے رُکے رُکیاں آپس ہی میں کھیں گی۔ بِنَاتِنَا بِنِیَا وَبِنُوْنَا لِبِنَاتِنَا۔ اسی حدیث کے مطابق پرانے سادات کے خاندانوں میں اب تک رُکے رُکیاں غیر سادات کو نہیں بیای جاتیں۔

ہاں! تو ابیر المؤمنینؑ نے درخواستِ جنابِ عبداللہؑ

منظور کر لی۔ اور کیوں نہ کرتے؟ اول تو گھر کے بڑے بوڑھے
حکم ہی دے گئے تھے۔ دوسرے بظاہر اُس وقت جنابِ عبد اللہ
سے بہتر دوسرا لڑکا خاندانِ نبوی ہاشم میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔
مسجدِ نبوی میں تو گھی کے چراغ روشن ہوئے ہونگے۔ یا پھر درگاہ
باری میں ایک سجدہ شکر۔

علی مرتضیٰؑ کو ایسا میرا داماد ملا جس کا ہم ملہ تمام قرین
میں کوئی نہ تھا۔ حسنِ ظاہر و باطن و دونوں موجود تھے۔ اس کے
علاوہ زبردست عالم، علمِ فقہ کے بہترین جاننے والے۔
صحابی رسول۔ پھر احادیثِ رسولؐ کے معتبر راویوں اور
مفسرینِ قرآن مجید میں اُن کا شمار تھا۔ فصاحت کے متعلق
یہ کہ مجالسِ امیرِ معاویہ و یزید میں جو انھوں نے تقریریں اور
مناظرے کیے ہیں وہ زبانِ عربی کے مایہ ناز ذخیرے ہیں۔
خاص کر جنابِ عبداللہؑ کا وہ معرکہ آرا خطبہ جو انھوں نے
حقِ حکمین میں ارشاد فرمایا ہے، اُن کی درایت و سیاست کا
شاہد ہے۔

تقریر حکمین

مختصر یہ ہے کہ ماہِ صفر ۳۵ھ میں علی مرتضیٰؑ اور امیرِ معاویہ

(حاکم شام) کے شکر کے درمیان صیفین کے مقام پر گھمن
 کی ٹرائی ہوئی۔ شکر معاویہ میں جب شکست کے آثار پیدا
 ہو گئے اور قریب تھا کہ اہل شام بھاگ نکلیں کہ عمرو عاص
 (وزیر معاویہ) بساط جنگ پر ایک سیاسی چال چل گیا جس سے
 ہاری بازی سدھ گئی۔ یعنی الحرب خدعتہ (جنگ کا دوسرا
 نام پالیسی ہے) کے مطابق اُس نے مشورہ دیا کہ فوراً
 نوک نیزہ پر قرآن نصب کرو اور اعلان کرو وندعوکم
 اِنی کتاب اللہ وھذا حکمہ بیدناق بئیکم (اے
 مسلمانو! ہم تم کو کتابِ خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور
 یہی ہمارے چھارے درمیان تصفیہ کر دے گی) اگر یہ
 دعوت علی مرتضیٰ نے رد کر دی تو اُن کے ساتھیوں میں
 اختلاف پیدا ہو جائے گا اور طرفداروں میں ثباتِ
 عزم۔ لہذا قرآن بلند کر دیے گئے، بعض تابعین علی نے
 لبیک کا نعرہ لگا دیا۔ علی بن ابی طالب نے جب دیکھا
 کہ بنا بنا یا بھیل بگڑا جاتا ہے۔ اپنے لشکر سے پکار کے کہا:
 انا اعرفکم منکم معاویہ عمرو عاص اور ابن ابی سرح
 کو میں تم لوگوں سے زیادہ سمجھتا ہوں ویکم ما رفعوہا

إِلَّا مَكِيدَةً (اے تمھارا برا ہوا! انھوں نے بڑا جمل
 فریب کیا ہے) لوگ چھینے لگے۔ یَا عَلِیَّ اَجِبْ اِلٰی كِتَابِ
 اللّٰهِ اِذَا دُعِیْتَ (یا علی جب کتاب خدا کو درمیان کیا
 رکھا جا رہا ہے تو آپ کو ماننا چاہیے) آنجناب نے مجبور ہو
 اپنے لشکر کو التوائے جنگ کا حکم دیدیا۔ حالانکہ مالک اشتر نے
 جن کی طرف آنا و فتح نمایاں ہو چلے تھے اقبال امر میں
 درنگ کی۔ لیکن کیا کرتے حکم حاکم۔ انھوں نے بھی تلوار
 روک لی۔

اُس وقت اشعث بن قیس خدمت علی رضی اللہ عنہ میں آیا۔
 اور عرض کی، اگر آپ حکم دیں تو میں امیر معاویہ کے پاس
 جا کے معاملات طے کر آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔
 وہ گیا۔ امیر معاویہ نے اپنی جانب سے عمرو عاص کو حکم
 (بہج) تجویز کیا، اور تابعین علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری
 کو۔ حالانکہ علی بن ابی طالبؑ نے بار بار فرمایا: "اِنَّهُ یُضَعِّفُ
 مِنْ عَرُو" (سیاسی معاملے میں ابو موسیٰ عمرو عاص سے
 ہٹا پڑے گا) ابن عباس یا مالک اشتر کو اپنی طرف سے
 حکم بناؤ۔ لیکن اشعث اور اس کے ساتھیوں نے نہ مانا

مجبوراً آنجناب نے بھی ارشاد فرما دیا: اِفْنَعُوا مِنَّا
اَزِيَةً اَمْ - جو بھی چاہے کرو۔ لہذا طرفین کی فوج واپس
ہو گئی۔

کچھ روز بعد ذوقۃ الخذلان پر مسلمانوں کا اجتماع
ہوا۔ اور طرفین کے دونوں حکموں کی موجودگی میں گفتگو
شرع ہوئی۔ عمرو عاص نے معاملے میں کچھ ایسی عید کی
پیدا کر دی کہ ابو موسیٰ کو یہی کہتے بنائے: قَدْ خَلَعْتَ
عَلَيْكَ مَعَاوِيَةَ (میں علی مرتضیٰ اور معاویہ دونوں کو
ترک کرتا ہوں) جھگڑا تو چکے۔ ”مسلمانو! ان دونوں
کے علاوہ جس کسی کو تم اہل سمجھو اپنا امیر و خلیفہ تجویز کرو۔
یہ کہہ کے ابو موسیٰ ایک طرف ہو گئے۔ عمرو عاص کو یہی
کہنا تھا کہوند آپس میں طے ہو چکا تھا۔ لیکن تقریر جو شمر
کی تو کہا: اَيُّهَا النَّاسُ! اَبُو مُوسَى قَدْ خَلَعَ صَاحِبَهُ
وَ اَنَا اَيْضًا قَدْ خَلَعْتُ صَاحِبَهُ وَ اَبْقَيْتُ صَاحِبِي
مَعَاوِيَةَ عَلَى الْخِلَافَةِ (بھائیو! ابو موسیٰ اپنے
خلیفہ سے دست بردار ہو گئے۔ اور میں بھی ان کے
خلیفہ (علی) سے دست بردار ہو گیا۔ اور اپنے امیر معاویہ

کو عہدہ خلافت پر باقی رکھا۔ (نورالابصار)
 وہی ہوا جو علی مرتضیٰ نے پہلے فرما دیا تھا۔ اب وہی
 جوٹ کھائے۔ دونوں میں تو ختم میں شروع ہو گئی
 بلکہ دونوں جماعتوں کے افراد میں لگے بازی، عصا و درہ
 بازی کی نوبت پہنچ گئی۔ اُس طوفان بدتمیزی میں لوگ ابھو
 کو تلاش کرنے لگے۔ اب اُن کا پتہ کہاں۔ صرف اتنا معلوم
 ہو سکا کہ بیچارے اونٹ پر سوار ہو کے سیدھے مکے شریف
 کی ایک ڈنڈنی پر ہو لیے اور نکمیل ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اہل
 نروان جو درہ پر وہ مخالف علی مرتضیٰ تھے اُن کی اُمید بڑی
 غم و غصہ وغیرہ نے شام میں پہنچ کے خلافت معاویہ
 کا اعلان کر دیا۔ ادھر ابن عباس نے آ کے علی مرتضیٰ سے
 کیفیت بیان کی۔ آپ نے اہل کوفہ کے سامنے ایک
 مطمئن تقریر کے دوران میں فرمایا: اِنَّ الْمَعْصِيَةَ قَوْثُ
 الْحَسْرَةِ وَ تَعْقِيبُ النَّدَامَةِ (نا فرامی سے حسرت پیدا
 ہوتی ہے اور ندامت باقی رہ جاتی ہے) میں نے نہیں
 کہا تھا کہ یہ دونوں حکم تصفیہ حق نہ کر سکیں گے؟ تم لوگوں
 نے نہ مانا اور اس شعر ہوا ذن کے مصداق ہوئے۔

أَمَرْتُهُمْ أَمْرِي بِمَنْعِهِمُ اللَّوْنِ فَلَمْ يَسْتَبِينُوا النَّصْحَ الْأَخْيَرُ
(پہاڑی کے موڑ پر) موقع پر سمجھا دیا تھا کہ دیکھو یہ ہونے والا
ہے۔ مگر پھر بھی نہ مانے۔

طرفداران امیر معاویہ اپنے خلیفہ کی موافقت میں پروپیگنڈا
کرنے لگے۔ اور علی مرتضیٰ کے تابعین اُن کے استقراہ حق کے
لیے تقریریں کرنے لگے۔ چنانچہ ابن عباسؓ وغیرہم کی طرح
عبد اللہ بن جعفر نے بھی تقریر کی تھی جو خطبہ حکمیں کے نام سے
موسوم ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے:

وَإِنَّا الْيَوْمَ لَعَلَىٰ كَمَا كُنَّا عَلَيْهِ آمِنِينَ (ہم آج بھی اسی
کے ایسے ہی موافق ہیں جسے کل تھے)

علاوہ قابلیت علمی کے پسر اشرف جناب عبد اللہ
کا یہ تھا کہ حرب و نسب میں چوکے تھے۔ خود امیر المومنین
کے بھتیجے اور رسولؐ کے ذوی القربیٰ میں شامل تھے۔
جو تھے مال و ثروت۔ جو و کرم میں یکتا ہی عصر چنانچہ
کثرت عطا کے سبب سے لوگ انھیں بجز الجود کہتے تھے۔
حتیٰ کہ نصیب ایک شاعر عرب نے آپ کے سخا و کرم پر
نظر کرنے ہوئے بول مسیحا کی ہے:



مفہوم کرم کا دھیب تقابل ^{تکون}
 اَلْفَتْ نَعْمَ حَتَّىٰ كَانَتْ لَمْ عَرَفْتَ مِنْ الْأَشْيَاءِ وَسِوَعِهَا
 ہاں سے تو آپکو اتنی الفت ہو گئی ہے گویا کہ دنیا بھر میں
 آپ سوائے (ہاں) کے کچھ جانتے ہی نہیں۔
 وَعَادَيْتَ لَا حَتَّىٰ كَانَتْ لَمْ سَمِعْتَ بِلَا فِي سَالِفِ الدَّهْرِ وَالْآخِرِ
 نہیں سے آپکو اتنی نفرت ہے جیسے کبھی آپ نے کانوں سے
 سنی ہی نہیں۔

ہائے! اس وقت مجھے ذر ذوق کے قصیدے کا
 وہ شعر یاد آ گیا جو اس نے امام زین العابدین کی مدح میں
 حج کے موقع پر ہشام بن عبد الملک کے سامنے پڑھا تھا:
 مَا قَالَ لَا قَطًّا إِلَّا فِي تَشْهِيدِهِ لَوْلَا اللَّهُ هَذَا كَانَتْ لَا وَهْ نَعْمَ
 اس عابدِ کرم غیبت نے سوائے تشہد کے (لا) کبھی زبان سے
 کہا ہی نہیں۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو وہ لا کی جگہ (نعم) ہی کہا کرتا۔
 نصیب نے تو (نعم) سے مدوح کی صرف الفت ہی
 یہ کہہ کے ثابت کی ہے کہ وہ تمام موجودات عالم میں (نعم)
 کے سوا کسی شے کو جاننا پہچانتا ہی نہیں۔ اور (لا) کا تو ایسا
 دشمن ہے کہ کبھی سنا ہی نہیں۔ تو کیا اس کا مدوح معاذ اللہ

تشہد میں بھی (لا) نہیں کہا کرتا تھا۔

شاء اپنے مقصد کے ادا کرنے کے لیے ایک مقام پر آ کے رک گیا۔ اور مضمونِ مدح کی وسعت پر نظر نہیں ڈالی۔ اور (گویا جانتا ہی نہیں) کہہ کے تو اور بھی مقصد کو کمزور کر دیا گیا ہے، جس سے سُٹنے والے کے یقین میں شبہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے عداوت اسی چیز سے ہوتی ہے جس کا انسان کو پہلے سے علم ہو۔

برخلاف فرزدوق کے جو کہتا ہے میرے مدد و ح نے تو (لا) کبھی کہا ہی نہیں۔ ہاں تشہد میں ضرور کہا (کیونکہ ایک زبردست عالم توحید ہے) فرض کیا کہ تشہد نہ ہوتا تو وہ ہمیشہ نعم ہی نعم، کہا کرتا۔ اُس کو (لا) کا علم ہی نہوتا کہ نعم کے سامنے اس کا وجود و خیل اشیاء ہے یا نہیں۔

عرفی شیرازی نے اس غریب خیل کو بھی رنگ دیکے کہا ہے، اور معیارِ کرم کو اپنی فکرِ فلکِ سما سے اتنا بلند کر دکھا ہے کہ اُس کے آگے خاتمہ نظر آتا ہے۔ کہتا ہے:

اقبالِ کرم می گزردا بابِ عجم ہمتِ نخوردنِ شتر لا و نعم ہوا
یعنی جو افرادِ حقیقت اہلِ کرم ہیں ان کی مالی ہمتی یہ بھی گوارا

نہیں کرتی کہ انھیں کوئی صاحبِ کرم کہے۔ لہذا وہ (کلا و نعم)
کے سوال ہی کو پیدا نہیں ہونے دیتے۔ یعنی سائل کو بغیر مانگے
نعمت بخش دیتے ہیں۔

لا تو لا ہی ہے جو شبہاً اور استعاراً دونوں صورتوں میں
ایک کریم کے لیے جگر خراشِ نشر ہے۔ اُن کے نزدیک لفظ
(نعم) کہنا بھی جس سے شانِ سخاوت ظاہر ہوتی ہے
(اور جس کو وہ پسند نہیں کرتے) انکارِ کرم کا مترادف ہے۔
قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ شاعر کلا و نعم دونوں کو جن میں
بعد مشرقین ہے ایک ہی مرکز پر زبردستی کھینچ لایا ہے۔

بنی ہند کا انتخابِ کرم

عبداللہ بن جعفر کے جو دو کرم کے متعلق تو اب اوپر
چھ چکے اب اُن کے پوتے عبداللہ بن معاویہ بن
عبداللہ بن جعفر کے تفاخرِ کرم پر نظر کیجیے۔ یہ بزرگ
اپنے وقت کے زبردست ادیب شاعر تھے۔ ذرا سخت
دل اور ضعیف الاعتقاد مشہور تھے۔ جاہ طلبی میں زندگی ختم
ہوتی، تابین کا اچھا خاصا گروہ ہو گیا تھا جس کی مدد سے
صفہان میں آکے صاحبِ حکومت ہو گئے تھے اور کوہان

شیراز اور قم وغیرہ زینتین تھے۔ اس وقت بنی ہاشم کو بڑی بڑی جاگیریں اور عہدے ملے۔ آخر کار ابوسلمہ نے قتل کر دیا۔ یہ اشعار انھیں کے ہیں۔

أَرَى نَفْسِي تَتَوَقَّأُ إِلَى أُمُورٍ وَاقْصِرُ دُونَ مَبْلَغِهَا مَالِي
میراجی تو یہ چاہتا ہے کہ بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ ڈال دوں۔ لیکن جب ان کی تکمیل کے لیے اپنی تھیلی ٹوٹتا ہوں تو مبلغِ علیہ السلام نثار دو۔ لہذا میرے سب ارادے خاک میں مل جاتے ہیں۔

فَنَفْسِي كَالنَّطَّاءِ وَعَيْنِي بِمُجْلِ وَقَالِي لَا يُكَلِّفُنِي فِعَالِي
میرے نفس کریم سے یہ بھی برداشت نہیں ہوتا کہ ہاتھ روک کے خرچ کروں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میری تمام دولت میرے کردارِ بلند کے مقابلے میں بالکل ناکافی ہے۔ کون ہے جو اس جوان بنی ہاشم کی کمری خود ستائی کے سامنے ہر تسلیم خم نہ کر دے، جس کے قدِ محترم کے نام پر چودہ سخا کی ہر لگی ہوئی ہے۔

کریم ہاشمی

صاحبِ قلم موسیٰ جناب ہاشم کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کا

اصلی نام تو عمرو تھا، لیکن ایک مرتبہ مکے میں شدید قحط پڑا۔
اس سختی نے اپنے تمام بیش قیمت سُرخ بالوں والے اونٹ
فروخت کر ڈالے، اور بھوکوں کو روٹی کے پارچے اور سالن
تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تمام عرب میں اس جود و کرم کی
شہرت ہو گئی۔ چنانچہ ایک شاعر نے یوں مدح کی:

عمر والعلیٰ ہاشم الثرید یقومہ ویرحال ملک مسندون عجاف
(جس وقت مکے کے لوگ فاقوں کے مارے سوکھ کے کانٹا
ہو گئے تھے، اُس وقت بزرگ منس عمرو (ہاشم) نے انھیں
سالن روٹی تقسیم کیا)

اُس وقت سے ہاشم لقب ہو کے اسم معروف ہو گیا۔
معنی (روٹی کے پارچے اور سالن تقسیم کرنے والا) ہیں۔
حضرت مردوں کا تو ذکر ہی کیا، بقول مشہور یہاں خانہ
تمام آفتاب است۔ اس گھر کی خواتین کا بھی یہی عالم ہے
کہ اپنے خاندانی فضل و شرف کے گیت گا گائے گئیں رہتی
ہیں۔ دیکھیے حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی صفیہ فرماتی

ہیں:

اَلَا مَنْ مُبْدِلٌ عَنَا قُرْنَيْشًا ففیم الامر فینا وَاَلَا مَا ز

(ترجمہ شعر صفحہ ۷۷) ہمارے طرف سے قریش مکہ سے کوئی یہ توجہ کے
کندے کہ بنی ہاشم کے فضل و شرف کے ماننے میں تمہیں
کیا کلام ہے۔ (باب الاضیاف والمداخج) (حماسہ)

اِذَا السَّلَفُ الْمُقَدَّمُ قَدْ عَمِيَتْ وَلَمْ يُوقَدْ لَنَا بِالْغَدْرِ نَارُ
(ہمارے اسلاف (عبدال مطلب، ہاشم، عبدال مناف) کو
تو تم جانتے ہی ہو کہ اُنھوں نے کبھی کسی سے غداری نہیں
کی کہ مطعون ہوئے ہوں)

وَكُلُّ مَنَاقِبِ الْخَيْرَاتِ فِينَا وَبَعْضُ الْأَمْرِ مَنْقَصَةٌ وَعَادُ
(کل اچھے اوصاف جو انسان میں ہونے چاہئیں وہ ہم میں
موجود ہیں۔ اور وہ افعال جو انسانیت کے لیے ننگ و عار ہیں
وہ بھلا ہم میں کہاں؟) تمہیں میں ہونگے)

ہر حال عبداللہ بن جعفر کی سخاوت اظہر من الشمس ہے۔
بقول صاحب "غریب الخصائص" اُس خوش نصیب شاعر کو جس کے
دو مدحیہ اشعار اوپر نقل کیے گئے ہیں۔ مدوح نے دس ہزار دینار
مع شتران گراں یا بطور صلہ عنایت کر دیے۔
کہتے ہیں کہ نصیب سیاہ فام تھا، اور ابتداءً شاید کسی امیر کا

در خرید غلام بھی۔ لوگوں نے جناب عبداللہ سے کہا: ”آپ نے
 اتنی دولت و شہرت ایک حبشی نرزاؤ کو بخش دی۔“ فرمایا: ”اگرچہ
 وہ سیاہ فام ہے، مگر اُس کے اشعار نورانی ہیں، گو وہ محلو
 ہے، مگر اُس نے ایک مردِ آزاد کی مدح کی ہے۔ مانا کہ چند روز
 میں وہ زیرِ خاک نہاں ہو جائے گا۔ لیکن اُس کے اشعار زمانے
 میں روبرو روشن کی طرح چمکیں گے۔“

جس نوجوان بنی ہاشم نے جناب زینب کے لیے خواستگاری
 کی تھی وہ ان اوصافِ حمیدہ کا حامل اور فضل و شرف میں
 کامل تھا۔

ایک نا اہل کی تزویج جناب زینب کیلئے درخواست

اور سنئے: شرح الحج البلاغۃ میں ابن ابی الحدید نے لکھا ہے
 کہ اشعث بن قیس جو قبیلہ کیندہ کے رؤسا میں سے تھا غالباً
 وہی اشعث بن قیس جو جناب صفین میں علی مرتضیٰ کا طرفدار
 تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے (علی مرتضیٰ کی خدمت میں درخواست
 کی کہ اپنی دخترِ فرخندہ اختر جناب زینب کو میرے عقد میں دیدے۔
 اُس کاندہ نامتراش کا یہ کلام سن کے آنجناب کا ہرہ غصے سے
 سفیر ہو گیا فرمایا: ”اسے اشعث اپنی صورت تو ذرا آئینے میں

دیکھ ! تو اور شبیہِ خدیجہ۔ دخترِ زہرا۔ زینب سے خواہش عقد
خبردار ! اگر تو نے دوبارہ ان الفاظ کا اعادہ کیا تو یاد رکھ علی
کی ذوالفقار ہوگی اور تیری گردن۔ تیری کیا ہستی کہ یادگار
زہرا سے ہمکلام ہو ! اسد اللہ کے تیور دیکھ کے بن قیس کیا
دلوئے تھا جو اور کچھ کہتا۔ سہم ہی کے تورہ گیا۔

جس کلام یہ کہ علی بن ابی طالبؑ نے درخواستِ جنابِ عبد اللہ
منظور کر لی اور نیک دن اور تاریخ مقرر کر کے جنابِ زینبؑ کے
دوبول کر دیئے۔ اور شوہر کے ساتھ سسرالِ مخصت کر دیا۔ اس
وقت جنابِ زینبؑ کی عمر غالباً گیارہ سال کی ہوگی۔

دو طہانے ایک شاندار دعوتِ ولیمہ دی۔ دولہن پر
بڑے بڑے صدقے چھاؤں ہوئے۔ فقرا و مساکین کی جتنیں
برائیں حقیقت یہ ہے کہ بڑا مبارک رشتہ ہوا۔ بمقتضائے
محبتِ دخترِ علی مرتضیٰؑ روزانہ خانہٴ عبداللہؑ میں تشریف لائے
تھے اور بیٹی داماد کو دیکھ کے سرور ہوتے تھے۔ اور یہ معمول
کر لیا تھا کہ ہر ہفتے ایک شب امام حسنؑ کے یہاں دوسری شب
امام حسینؑ کے گھر پر۔ تیسری شب جنابِ زینبؑ کے مکان پر
آرام فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آنجناب نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا

تو جنابِ عبداللہ کو بھی مع اہل و عیال کے ساتھ لے گئے جہاں تک
خداوند کے لیے میں جنابِ امامہ سوسیلی مال بھی موجود تھیں۔
لیکن ذمہ دارانہ حیثیت جنابِ زینب ہی کو حاصل تھی۔
کوئے و عراق کی خواتین محترمہ شوقِ ملاقاتِ زینب کیلئے
حاضر ہوتی تھیں اور فاطمہ زہرا کی طرح اُن کا ادب کرتی
تھیں۔ رہے جنابِ عبداللہ تو وہ ایسے رفیق و معین
علی بن ابی طالب سے کہ کوئی جنگ اور کوئی رجم سیاسی مجلس
ایسی نہ تھی جس میں اُنہوں نے نمایاں حصہ نہ لیا ہو۔

حسرتِ آیہ و قاتلِ عبداللہ

صاحبِ در الخصال بھی لکھتے ہیں کہ جنابِ عبداللہ بھی
اُن کریمانِ جہاں میں سے ہیں جنہوں نے مخلوقِ خدا پر
سزا و کرم کی بوجھ کر دی تھی۔ لیکن آخر وقت مغلوں کے حال ہو کے
سفرِ آخرت کیا۔ بقول ابوالفرج عبدالملک بن مردان کا زمانہ
تھا اُس نے سخت گیری کا اور تمام جائیداد جنابِ عبداللہ
ضبط کر لی۔ آنجناب نے ایک جمعہ کو مسجدِ نبوی میں بادل
در و مند فریاد ادا کیا اور دیکھا کہ وہاں بیٹھے تھے شروع و ختم شروع و
دست و خاب بلند کر دیئے:

”یارِ اہلِ امیری وضعِ کرم کو قائم رکھو ورنہ دنیا سے اٹھالے۔“
مقبول الدعوات تھے، دوسرے جمعہ کو اسی مسجد میں یازنبارہ
ادا ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۝

اولادِ جنابِ زینبؑ

جنابِ عبداللہؑ کی تعدادِ اولاد جو بطنِ جنابِ زینبؑ سے
ہوئی، اُس میں مورخین کو اختلاف ہے۔ لیکن اکثریت اُسی
کی تائید کرتی ہے، جو ابنِ جوزی نے مقرر کی ہے۔ یعنی یار
فرزند علیؑ، عونؑ، الاکبرؑ، محمدؑ، عباسؑ۔ اور ایک دختر ام کلثومؑ
عونؑ، و محمد نصرتِ حسینؑ میں شہیدانِ کربلا میں شامل ہیں، جنکا
ذکر آگے آئے گا۔

امیرِ معاویہ و جنابِ عبداللہؑ

اوپر کے صفحات میں آپؑ کی نظر سے گزر چکا ہے کہ
امیرِ معاویہؓ عبداللہ بن جعفر کو ایک رقم کثیر بطورِ صلہ رحم
سالانہ دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی آپؑ کو معلوم ہے کہ سیاست
عرب میں اُس وقت خلیفہ دوم عمر بن الخطابؓ کے بعد انھیں
اولِ نمبر تھا۔ عہد کے خلاف امامِ حسنؑ کے بعد یزیدؑ نے
پسِ زنا خلف کو ولیعہدِ سلطنت مقرر کر چکے تھے۔ غرض یہ تھا۔

کہ میرے بعد بنی ہاشم یزید کے خلاف علم مخالفت نہ بلند
 کر دیں، اور امام حسین ایسے مقتدر اور با عزت ہستی کی
 پیروی کرنے لگیں۔ لہذا وہی صورتیں حصول مقصد یعنی
 استحکام خلافت یزید میں کامیاب ہو سکتی تھیں۔ اول
 حریشیان عرب پر دولت کی بارش۔ دوسرے بنی ہاشم
 سے مابطہ اُلفت و اتحاد۔ چنانچہ عطاء سے زر و مال تو اپنی
 حد تک ختم ہو چکا تھا۔ لیکن بنی ہاشم سے رشتہ اتحاد محکم کرنے
 کا کوئی ذریعہ نہیں معلوم ہوتا تھا لہذا اولاد عبد اللہ کی طرف
 امیر معاویہ کی نظر پڑی۔ اور بشورہ امرائے شام ان کی دختر
 اُمّ کلثوم سے جو شادی کے قابل ہو چکی تھیں اور ساتھی
 جمیلہ و عقیلہ بھی تھیں، یزید کا عقد کرنا چاہا۔

چنانچہ اس مقصد کے ماتحت امیر معاویہ نے مروان بن حکم
 (حاکم حجاز) کے پاس مدینے ایک خط بھیجا کہ میری طرف سے
 عبد اللہ بن جعفر کے پاس بھاؤ اور اُمّ کلثوم ان کی دختر
 کے ساتھ یزید کے عقد کا پیغام دو۔ لہذا مروان نے اس کے
 انکشاف معاملہ کیا۔ جناب عبد اللہ نے جواباً کہا اگرچہ
 اُمّ کلثوم میری دختر ہے، لیکن اس کا اختیار سید و سرور

۳۱
عاشورہ
محرم

بنی ہاشم امام حسین کے ہاتھ میں ہے (اگلے وقتوں میں
 نماذان کے بڑے بوڑھے اس معاملے میں مختار ہوا کرتے تھے)
 چنانچہ وہ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتِ مدعا
 پیش کی۔ آنجناب نے فرمایا: کہ اس معاملے میں خداوند
 عالم سے استخارہ کروں گا، اُس کے بعد جواب دیا جائیگا۔
 دو ایک روز بعد جب امام حسین مسجد میں تشریف لائے
 تو مروان بھی مع چند عمر رسیدگان بنی ہاشم و بنی امیہ کے ذیل
 مسجد ہوا۔ اور بتدریج کہنا شروع کیا کہ امیر معاویہ نے
 مجھے اس امر کے لیے متعین کیا ہے کہ یہ رشتہ طے کر لوں۔
 عبد اللہ جو رقم مہرین کریں منظور کر لوں۔ نیز اُن کو تمام بارِ قرض
 سے سبکدوش کر دینے کا بھی ضامن ہو جاؤں۔ اور رابطہ
 صلح و اتحاد درمیان بنی ہاشم و بنی امیہ مستحکم کر دوں۔ اگر یہ
 رشتہ ہو گیا تو بنی ہاشم پر زمانے کی نظر امتیاز پوشنے لگے گی بلکہ
 نذیر سے بھی زیادہ۔ اُس کے بعد نذیر کی جلالت و سخاوت
 کا ذکر کرتے ہوئے کہا: اَللَّحَابُ یَسْتَسْقِیْ بِلِقَائِهِ اُسکے
 ویدار سے ابھر سیراب ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ اتنا کہہ کے
 مروان نے حکومت اختیار کیا۔



اب افصح العرب امام حسین کی باری آئی، آپ نے
حمد و صلوٰۃ کے بعد جواباً فرمایا: ”قہر کے متعلق تو یہ کہ اُس کو
شرع شریف کے مطابق ہونا چاہیے جو خود اپنے اور خاندان
کے نکاحوں کے وقت میرے جذ بزگوار کا معمول رہا ہے میں
بھی اُسی حکم کا پابند ہوں۔“

بھائی عبداللہ کے قرض کے متعلق یہ کہ ہمارے خاندان
میں کوئی ایسی مثال نہیں ملے گی، کہ باپ کا قرض بیٹی کے ذریعے
سے ادا ہوا ہو۔ رہا بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان مصالحت
کا سوال۔ تو وہ حق کیسا جسے باطل سے مضاربت نہ ہو، دُنیا کے
یہ ہم صالح نہیں چاہتے۔ اور تم نے یہ جو کہا کہ بڑے سے
زیادہ لوگ ہم سے غبطہ کریں گے، تو ذرا غور کرنے کی بات
ہے۔ جو لوگ خاندان رسول کی عظمت و شرف پر غبطہ کرنے
ہیں وہ جاہل ہیں اور جو عزت دُنیا کے اعتبار پر غبطہ کرتے
ہیں وہ بڑے عقلمند ہیں۔ دُنیا اسی کا نام ہے۔ آخر میں جو
تم نے سخاوت پر بڑے متعلق کہا کہ اُس کے دیدار سے ہر
سیرانی چاہتا ہے۔ تو یہ مثل حقیقی طور سے سوا کے رسول کریم کے
دُنیا میں کسی کے جو دو کرم پر صادق نہیں آتی۔ اس ارفاق سے

امام حسینؑ نے حضرت ابوطالب کے اُس شعر کی طرف اشارہ کیا ہے جو انھوں نے مدح رسول اللہؐ میں کہا تھا:
ابيض يسقي الغمام جريحاً شمالي اليتامى حصاة لا مراحيل

(طراز المذهب)

اُس (سيف اللہ مسلک) کا کرم پاش نوآنی و پیکہ کے خود
نقائے ابر پانی مانگتا ہے۔ اُس کی دوسری صفت یہ ہے کہ
یمینوں کا پناہ گاہ اور راندوں کا محافظ ہے (زمزم زم
دونوں میں جوہر فرو ہے) کریم السجایا جمیل الشیم
باشمبہ کا ہاشمی سے پیوند

اُس کے بعد امام حسینؑ نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر
فرمایا: ”آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں ام کلثوم و خیر عبد اللہ
بن جعفر کو اُس کے چچا زاد بھائی قاسم بن محمد بن جعفر کے عقد میں
دیتا ہوں اور اُس کا ہر شرعی مقرر کرتا ہوں۔ علاوہ اس کے
میں اپنی ذاتی ملکیت سے ایک قطعہ زمین جس کی آمدنی آٹھ
ہزار دینار سالانہ ہے، دو طھاؤلسن کی فلاح معیشت کیلئے
بخشا ہوں۔

مروان بن حکم نے اس معاملے میں ایسی موندگی کی کہ

اور کچھ تو بنائیں کہنے لگا: "میں دیکھتا ہوں کہ آل ہاشم ہمیشہ
 بنی امیہ سے برسرِ عناد ہی رہنا چاہتے ہیں۔" امام حسینؑ نے
 فرمایا: "تمہیں یاد ہو گا جب میں نے عائشہ و خضر عثمان سے
 خود ہاشم خاندان کی جتنی توہم نے جھوٹ سے عبد اللہ بن زبیر سے
 اس کا عقد کر دیا تھا۔ اب شکایت کسی کماثر بن عثمان سے"

شرفِ اولادِ فاطمہ

بنا بیع المودۃ میں حضرت عمر بن الخطاب سے یہ قولِ رسول
 منقول ہے "كُلُّ نَسَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقُطُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا
 نَسَبِي وَنَسَبِي" (روزِ قیامت ہر نسب منقطع ہو جائیگا
 سوائے میرے نسب کے۔ دنیا میں ہر ماں سے پیدا ہونے والا
 بچہ اپنے باپ کے سلسلے سے منسوب ہوتا ہے سوائے اولادِ فاطمہ
 کے کہ میں ان کا پورا اور خاندان ہوں) اسی مقصد کی اور دوسری
 احادیث بھی ہیں جو جنابِ فاطمہ زہراؑ اور رسولؐ کے مقتدر صبی
 جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہیں۔ جنابِ جابرؓ کہتے ہیں
 کہ ایک روز میں اور عباس بن عبد المطلب خدمتِ نبویؐ میں
 حاضر تھے کہ علی بن ابی طالبؑ آئے اور سلام کیا۔ رسول اللہؐ
 نے جوابِ سلام دیا۔ کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا۔ پیشانی پر

بوسہ دیا۔ اور اپنے جانب راست بٹھالیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ کیا آپ کو علیؑ سے محبت ہے؟" فرمایا: "واللہ بے انتہا محبت ہے اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّيَّتَهُ كُلَّ يَتِيٍّ فِيْ صُلْبِهِ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ فِيْ صُلْبِ هَذَا" (خداوند عالم نے ہر نبی کی اولاد اُس کے صلب میں رکھی ہے اور میری ذریت علیؑ کے صلب میں)۔

واقعہ

امام موسیٰ بن جعفرؑ فرماتے ہیں: "ایک روز مجھ سے خلیفہ عرب ہارون رشید عباسیؑ نے کہا کہ آپ حضرات نے خواص و عوام کے لیے یہ امر کس طور سے جائز رکھا ہے کہ وہ آپ کو رسول اللہؐ سے منسوب کرتے ہیں اور یا ابن رسول اللہؐ کہہ کے پکارتے ہیں۔ حالانکہ آپ اولادِ علیؑ سے ہیں۔ اور ہر فرزند اپنے پدری سے منسوب ہوتا ہے رہیں جنابِ فاطمہؑ تو ان کی طرف سے بیشک رسول اللہؐ آپ کے نانا ہوتے ہیں۔"

میں نے (موسیٰ بن جعفرؑ) جواب دیا: "فرض کر لیجئے کہ اس وقت رسول اللہؐ دنیا میں پھر تشریف لے آئیں اور آپؑ

صاحبزادی اپنے نکاح کے لیے طلب کریں تو کیا آپ اُن کو صاف جواب دیدیں گے؟

ہاروں رشید: ”جواب کیوں دینے لگا۔ بلکہ میں تو اس پرشتے سے اقوامِ عرب و عجم و قریش پر فخر کروں گا۔“
 امام: ”لیکن رسولِ ہمارے لڑکی نکاح کے لیے نہیں طلب کر سکتے نہ ہم ہی اُس کا نکاح آنحضرتؐ سے کر سکتے ہیں۔“

ہاروں رشید: ”یہ کیسے؟“
 امام: ”یہ اس وجہ سے کہ ہم اُن کی اولاد سے ہیں، اور آپ نہیں ہیں۔“

ہاروں رشید: ”نوسی بن جعفر“ آپ نے کیا خوب بات کہی۔ لیکن یہ تو جلتے کہ آپ لوگ اپنے کو ذریتِ نبیؐ کیسے کہتے ہیں، حالانکہ نبیؐ نے کوئی فرزندِ زمینہ نہیں چھوڑا جس سے سلسلہ چلتا۔ لڑکی سے تو کسی کا نسب نہیں چلا کر تا۔ آپ تو اولادِ دختر ہیں، جس کا نسب سے کوئی علاقہ نہیں۔“

امام: ”حقِ قرابتِ رسولؐ و بہ طفیلِ رضیٰ رسولؐ آپ مجھے اس مسئلے پر مزید گفتگو سے معاف رکھیے۔“

ہارون رشید:- ”یہ تو نہوگا۔ جب تک آپ میری بات کا جواب دلیل قرآنی کے ساتھ نہ دیدیں۔ آپ اولاد علیؑ اور حاوی القرآن کیسے کہے جاتے ہیں، اُس کے ہر جزو کی تاویل آپ کے علم میں ہے، اور پھر اس آیت قرآنی سے احتجاج کیا کرتے ہیں وَكَافَرًا ظَنَّا فِي السَّكَنِ مِنْ شَيْءٍ
 ہم نے قرآن میں کچھ نہیں چھوڑا۔ اُس میں سب کچھ ہے۔
 نیز امی علیؑ اور فضلاء سے آپ مستغنی ہیں۔“
 آحامر:- ”اچھا“ تو پھر جواب دوں؟

ہارون رشید:- ”ہاں ضرور۔“
 آحامر نے یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی جس میں ذریت آدم کا ذکر ہے: ”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ هَٰذَا إِلَٰكُ خَيْرُ الْمُحْسِنِينَ وَذَكَرْنَا وَجْهَكَ وَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَٰذَا نَحْنُ صِدِّيقُونَ“
 اے امیر المؤمنین حضرت عیسیٰ کے پرکون تھے؟
 ہارون:- ”حضرت عیسیٰ تو بغیر باپ کے تھے۔“

آحامر:- ”بس سمجھیے جس طرح جناب مریم کے توسط سے جناب عیسیٰ ذریت انبیاء میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح ہم

اپنی ماورِ محترمہ جنابِ فاطمہؑ کے سبب سے نسبِ رسول میں داخل ہیں۔ غالباً اتنا کافی ہے۔ کہیے تو کچھ اور عرض کرو۔ ہاروں: ہاں ہاں فرمائیے!

اعامہ نے آیہ مبایہ فرمائی جس میں حسینؑ کو رب العزت کی طرف سے فرزندِ رسولؐ کی سند ملی ہے۔ ہاروں شہید نے اس سند لال کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

تیسری سند شرفِ اولادِ فاطمہؑ کے لیے حدیثِ کساءؑ جس وقت رسولؐ نے علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کو اپنی چادر میں لیکے دربارِ رب العزت میں وعاسے خیر فرمائی تھی۔

اس مختصر تمہید سے یہ غرض تھی کہ جنابِ ذہبتِ وامِ شرم داخلِ ذریعہ رسالتِ مآب ہیں اور ان محترمات کی طرف بھی تمام وہ عزت و شرف راجع ہوتا ہے جو حسینؑ کو حاصل تھا۔ چنانچہ اولادِ امامہ حسینؑ اور احقابِ جنابِ ذہبتِ

میں علاماتِ سیاہ و مشترک تھے اور ہیں۔ مثلاً عامہ سبز رنگ آج تک اولادِ فاطمہؑ کے لیے عرب و عجم و مصر میں طرۃ امتیاز ہے۔ اور گنبدِ سبز میں آرام کرنے والے سے تعلق خاص ظاہر کرتا ہے۔

تھیں تو سلطنت بنی فاطمہ کے زمانے میں علامہ سید
یا عمامہ سبزواری و فاطمہ کے لیے مخصوص تھے کسی دوسرے
سلسلے کا فرد انھیں قانوناً استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ صاحب
نور الابرار اس مقصد کو یوں واضح کرتے ہیں:
”جناب زینتِ بنتِ علی کا عقد اُن کے چچا زاد بھائی
عبداللہ بن جعفر سے ہوا، اُن سے چار فرزند ہوئے اور
ایک دختر جناب زینب کی اولاد ممالکِ اسلامیہ میں
کثرت سے پائی جاتی ہے۔ علیہا السلام اولادِ محترمہ
کے شرف کے متعلق دس وجوہ سے کلام کرتے ہیں:
اول۔ وہ آلِ رسول ہیں اور بالاجماع داخلِ اہلبیت
اس لیے کہ اولادِ آنحضرت مؤمنین بنی ہاشم و عبدالمطلب
سے ہے۔“

دوم۔ وہ آلِ و ذریتِ نبی ہیں (بالاجماع) اس لیے
کہ انسان کی اولادِ دختر ہی اُس کی آل و ذریت میں شمار
کی جاتی ہے۔ کیونکہ اگر اولاد میں کوئی شخص کسی ایک کے
لیے وصیت کرتا ہے تو اُس کی اولاد و اثاثہ بھی وصیت میں
شامل ہو جاتی ہے۔

سوم۔ وہ بھی اولادِ حسنین کے ساتھ نسبِ رسول اللہ
میں شریک ہیں۔ نیز رسولؐ نے آلِ فاطمہؑ ہی کو اپنی ذات
سے مخصوص کیا ہے۔ دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے
علاوہ جن میں کوئی ایسا نہ تھا جو حسنین کے مقابلے میں پیش
کیا جائے۔

چهارم۔ یہ کہ اصطلاحِ قدیم کے موافق اُن پر بھی لفظ
(اشراف) کا اطلاق ہوتا ہے۔

پنجم۔ اُن پر بھی صدقہ حرام ہے۔ اس لیے کہ آلِ جعفر
بھی آلِ ہاشم سے ہیں۔

ششم۔ وہ بھی شریکتِ ذوی القربی کے مستحق ہیں۔
ہفتم۔ صرف آلِ جعفر ہی بَرَکۃ الحبش (جو مقوضات
حبشہ اسلام کے حاصل کیے) کے اوقاف کی آمدنی پانے

کے مستحق ہیں جو خاص کر آلِ حسنین کو بھی نہیں ملی۔
ہشتم۔ ساداتِ فاطمی کے لیے علامتِ سبز کی خصوصیت
نہ تو کسی خبرِ قدیم سے ثابت ہے نہ اندرونی سنتِ ال

صاحبِ دُرِّ الاضداد کی تحقیق کے مطابق یہ میر
سلطان اشرف بن شعبان نے جو ترکوں کے دو حکومت پر

والی مصر تھا، حکماً ساداتِ فاطمی کے لیے علامتِ سبز کو
لازم قرار دیا۔ رہا عمامہ سبز اُس کو محمد شریف پاشای مصر
نے سنا کہ میں مظاہرہ غلافِ کعبہ کے متبرک موقع پر
راج کیا۔

غلافِ کعبہ اللہ

دُنیا سے اسلام واقف ہے کہ یومِ حج سے کچھ روز
قبل سلطنتِ مصر کی جانب سے پوشِ کعبہ ایک معزز وفد
کے ہمراہ مکہ معظمہ بھیجی جاتی ہے جس سے یومِ الحج تک یہ غلافِ
کعبہ کی رسم ادا ہوتی ہے، تین بار اس محل کا مظاہرہ عام
دارالسلطنتِ مصر (قاہرہ) میں کیا جاتا ہے۔
قبل اس کے کہ اس متبرک پوشِ کعبہ کا محل مکہ معظمہ روانہ
کیا جائے، تین مرتبہ منظرِ عام پر لایا جاتا ہے:

اول۔ سامانِ پوشِ کی خرید کے بعد جب وہ مسجد میں
برائے تیاری و تزئین کا رہی پہنچایا جاتا ہے۔ دوسرے
جب تیار ہو جاتا ہے تو محل پر رکھ کے گشت کرایا جاتا ہے۔
تیسرے جس روز خانہ کعبہ روانہ کیا جاتا ہے، تو جلوس
کے ساتھ ایک میدان میں لایا جاتا ہے۔ جہاں والی مصر

اپنے شاہی خیمے میں مع عوامین و اراکین سلطنت منتظر رہتا ہے
 لکھا ہے کہ اس پوشش پر اس قدر نفیس اور بیش قیمت زری کا کام
 ہوتا ہے کہ جب اس پر سورج کی کرن پڑتی ہے تو دیکھنے والے
 کی نظر نہیں ٹھہرتی اور خیرہ ہو جاتی ہے۔ جب یہ محل شاہی
 صہیب کے سامنے آگے نکلتا ہے تو والی مصرع اراکین
 خیام شاہی سے گل کے استقبال کرتا ہے اور سلامتی دیتا ہے
 پھر یہی ہمارے شتر خود اپنے ہاتھ میں لے کے چند قدم چلتا ہے
 اس کے بعد وہ قافلہ دار و حجاز پر چلتا ہے۔

اسی جلوں کے موقع پر والی مذکورہ سادات کو حکم دیا تھا
 کہ ستر عامہ نہیب سر کر کے محل کے آگے آگے رہیں یہ رسم
 اس وقت سے اب تک جاری ہے اور عالم اسلام میں
 مشہور۔ ایک انگریز سیاح نے لکھا ہے کہ کچھ فقیر ستر چپیں
 سر پر باندھے ہوئے محل کے آگے آگے چلتے ہیں۔ یہ وہی
 مفلوک الحال سادات فاطمی ہیں جن کا ذکر کیا جا رہا ہے۔
 سادات فاطمی کے لیے عمامہ خضر کی خصوصیت اختیار کیا

کی وجہ یہ ہے کہ سیاہ لباس شعار بنی عباس ہے۔ زرد
 لباس شعار یہود۔ کربچا شعار نصاریٰ اور سرخ خلیفہ فاطمی۔

ساداتِ فاطمی اور خصوصیتِ لباسِ سبز کے بارے میں جابر
بن عبد اللہ اندلسی (صاحب شرح الفیہ) نے ایک قطعہ
لکھا ہے۔ جو بہت مشہور ہے:

جَعَلُوا لِأَبْنَاءِ الرَّسُولِ عَلَامَةً
إِنَّ الْعَلَامَةَ شَانُ مِنْ لَا يَشْهَرُ
لوگوں نے آلِ رسول کیلئے ایک علامت قرار دی ہے، لیکن
علامت تو اُسے زیبا ہے جو مشہور نہ ہو۔

نُورُ النُّبُوَّةِ فِي وَسِيمِ وَجْهِهِمْ
يُعْنِي الشَّرِيفَ عَنِ الطَّرَازِ الْأَخْفَرِ
اُن کے چہروں پر تو نور رسالت چمکتا ہے، جو انھیں علامتِ
سبز سے بے نیاز کرنے کو کافی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ نشانِ سبز یا عمامہ سبز کو آلِ رسول
کے تمام سلسلے واسے استعمال کر سکتے ہیں۔ عام اس سے
کہ وہ اولادِ حسنین سے ہوں یا نہ۔ اور حاصل تو یہ ہے کہ لباسِ
سبز کے استعمال کی کسی کے لیے ممانعت نہیں جس کا جی چاہے
استعمال کرے۔ لیکن اگر اس علامت کے اظہار کی کوئی غرض
شرعی ہے تو اُس وقت آلِ رسول ہی کی خصوصیت متصورہ

ہوگی۔
ہم و ذہم۔ آیا اولادِ جنابِ مرثیہ اُس وقت یا

وصیت کے ذیل میں آ سکتی ہے جو اشراف و ساداتِ فاطمین
 کے لیے کیے گئے ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وصیت
 کرنے والے یا وقف کرنے والے نے کوئی ایسی توضیح کر دی
 ہے جس کی رو سے وہ اُس میں داخل ہو سکتے ہوں یا نہیں۔
 تو اس صورت میں تو پابندی لازمی ہونی چاہیے۔ ورنہ میں
 آلِ حسنین اور آلِ زینب و دونوں اُس سے مستفید ہو سکتے
 ہیں۔ لیکن عہدِ سلطنتِ فاطمین سے اب تک مصر میں یہ دستور
 چلا آ رہا ہے کہ لفظ شریف کا اطلاق صرف اولادِ حسنین و
 ہی پر ہوتا ہے۔ یہ قول جلال الدین سیوطی جس پر والی ہے،
 وخصیص الشرف بالی علی فقط اصطلاح
 لاہل مضر خاصۃ (نور الابصار)

اولادِ جنابِ زینب بلاشبہ داخلِ زینتِ رسول
 ہیں جس طرح اولادِ حسنین۔ اور ان پر بھی لفظ شریف کا
 اطلاق علاوہ اور و لائل کے خطبہ نکاح جنابِ فاطمہ
 کے حصہ آخر سے ہوتا ہے جو رسول اللہ نے وقتِ مناسبت
 علی و فاطمہ ارشاد فرمایا تھا جس کے موقع راوی انس
 بن مالک ہیں۔ "فحکم اللہ شہادۃ و بآرک لخصما"

وَاطَّابَ نَسْلُهُمَا وَحَقَّ نَسْلُهُمَا مَقَاتِلِ الرَّحْمَةِ
وَمَعَادِنَ الْحِكْمَةِ وَأَمَّنَ الْأُمَّةِ (اللہ نے ان دونوں
کو متحد فرمایا۔ اور ان کے لیے یہ رشتہ مبارک قرار دیا۔
ان کی نسل پاک و پاکیزہ قرار دی، اور اُس کو رحمت
کی کنجیاں، حکمت کی کانیں، اور اُمت کے لیے امن
قرار دیا) ساقی گوثر کو دعا دیکے فرمایا: تم دونوں سے
کثیر تعداد میں پاک اولاد ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاللَّهِ لَقَدْ
أَخْرَجَ مِنْهُمْ أَكْثَرَ الطَّيِّبِ: خدا کی قسم و سیاہی
ہوا جیسا رسولؐ نے فرمایا تھا۔

سادات اور سیدانیاں یہ عبارت پڑھ کے خوشی
کے مارے پھولوں نہ سمائیں گی۔ اور حق بجانب بھی
ہیں۔ مگر اس کے بعد انھیں تھوڑی دیر سنجیدگی سے غور
کرنا پڑے گا کہ کیا حقیقتاً ہم اس کے مستحق ہیں۔ کتنے سادات
علی مرتضیٰ کے کردارِ حسنہ کی پیروی کرتے ہیں، اور کتنی محرمات
جنابِ سیدہ و جنابِ زینبؑ کی زندگی کو اپنے عمل کے لیے
نورانی نمونہ بناتی ہیں؟

اطاعتِ پدر

کوٹے میں علی بن ابی طالبؑ کے ایک سال بعد جنابِ زینبؑ بھی آگئیں۔ کسی عید کے موقع پر کوٹے کے شریف خاندانوں کی خواتین نے آنجناب کی خدمت میں درخواست کی کہ ہم سب ثانی زہراؑ جنابِ زینبؑ کی خدمت میں شرف اندوز ہونا چاہتے ہیں، سنا ہے کہ علم و فضل میں اس وقت اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ ان کی خواہش قبول فرمائی گئی اور جنابِ زینبؑ کو مطلع کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس وقت جنابِ زینبؑ دار الخلافہ میں شاہزادی کی حیثیت رکھتی تھیں۔

جنگِ نردوان کے مالِ غنیمت میں ایک بیش قیمت موتیوں کا ہار بھی علوی سپاہیوں کے ہاتھ آیا تھا۔ خود تو کیا لیتے کیونکہ علی بن ابی طالبؑ کی زنجیرِ اطاعت زینبؑ گلو تھی۔ دل بیت المال کر دیا۔ جنابِ زینبؑ کو اس ہار کے آنے کا علم تھا۔ چنانچہ اس موقع پر انھوں نے خازنِ بیت المال کو ایک تحریر بھیج کر عاریۃً منگوا لیا اور صبحِ عید قبل اس کے کہ خواتین کو وہ ملاقات کے لیے حاضر ہوں۔ جنابِ زینبؑ

لباسِ فاخرہ سے مزین ہو کے تیار ہو گئیں۔

اس دیانت دار باپ نے (جو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے بیت المال کے صرف سے جلتا ہوا چراغ گل کر دیا تھا) کن انکھیوں سے پیاری بیٹی کی طرف دیکھا۔ کچھ کہا تو نہیں، لیکن دولتِ ہراسے باہر تشریف لے آئے۔ قبر سے فرمایا: ”ابن ابی رافع (خازن بیت المال) کو بلاؤ“ وہ طلبی کی غرض سمجھ گئے۔ اور رقعہ جنابِ زمینت بھی ہمراہ لیتے آئے۔ ارشاد ہوا ”یہ تمہنے کیا کیا؟“

انہوں نے جواب کی بجائے چپکے سے تحریرِ مذکورہ پیش کر دی۔ علی مرتضیٰ نے پڑھی، خاموش ہو گئے۔ چونکہ رسول کے امانت دار تھے، پس نہ آیا۔ بعض کے نزدیک حکم دیا کہ آج ہی ہا بیت المال میں واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ ہاجرین و انصار کی بیٹیاں بھی عید کے روز اسی طرح زیب و زینت کا سامان چاہتی ہونگی۔ جنابِ زمینت سراطاعت خم کر دیا۔

جنابِ زمینت شاملِ ثقات ہیں

جن معزز خواہن سے اصحابِ خبر نے وثوق کے ساتھ احادیثِ نبویؐ نقل کی ہیں وہ ازواجِ رسولؐ میں سے

یہ ہیں: جناب خدیجہؓ جن سے صرف (۱) حدیث مروی ہے۔ جناب عائشہؓ جن سے (۱۲۱۰) جناب میمونہؓ جن سے (۷۶) جناب ام سلمہؓ جن سے (۳۲۸) احادیث مروی ہیں وغیرہ۔ زمان اہلبیت سے اول جناب فاطمہؓ زہراؓ و خیر رسولؐ (پھر ان کی نو اسی جناب زینبؓ ہیں)

(تخصیص البخاری کتاب الرجال)

ابن عباس جن کا شمار اکابر علیائے اولین میں ہے جب کسی حدیث کو جناب زینبؓ کی سند سے پیش کرتے ہیں تو لکھتے ہیں: حدیثی عن عقیلتنا زینب بنت علی کذا وکذا (میں نے عقیلہ بنی ہاشم زینبؓ سے ایسا ایسا سنا تھا)

جناب زین العابدینؓ کی بھی یہی حالت تھی جب حادثہ کربلا کے کسی حصے کو و ثوق کے ساتھ بیان کرنا چاہتے تھے تو پہلے فرما دیتے تھے: سمعت من عمتی زینب (میں نے اپنی چھوٹی زینبؓ سے یہ سنا ہے) ٹھیک ہے وہ غریب تو بیامی تھے، جزئیات پر نظر رکھنے کا ہوش رکھنا تھا۔

منجملہ اور اجناس کے کامل الزیارات کی خبر ہے جو علامہ

مجلسی نے بحار الانوار کی جلد ہشتم و دہم میں جناب زینبؑ کے حوالے سے یوں لکھی ہے: عن زائِلہ ص من زمین العابدین عن زینب عن اُمّ ایمن عن رسول اللہ صلعہ۔ دوم خبر خطبہ فدک ہے: جو جلد ہشتم باب قدس میں یوں نقل ہے۔ "عن احمد بن محمد بن جابر عن زینب بنت علیؑ۔ علاوہ ان اسناد حدیث کے اور مستند حدیثیں ہیں جو جناب زینب کے حوالے سے ملتی ہیں۔ بوجہ طوالت نظر انداز کی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ جناب زینبؑ کی ذات اعدا اور قدر شناس افراد اُمت میں محل و ثوق رہی۔ حتیٰ کہ بعد وفات محترمہ یہ سلسلہ احترام اب تک جاری ہے۔ اور قیامت تک روایات اہلبیت کے ساتھ جاری رہے گا۔

فصاحت و بلاغت

بلاغتِ کلام، فصاحتِ بیان دونوں ایسے ملکہ ہیں جو بڑے بڑے مقررین میں بھی نہیں پائے جاتے البتہ فطرت کی طرف سے جن مقررین کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے، انکی جادو بیانی کا کیا ذکر۔

ایک ایسا عالم وفا ضل انسان جو علومِ رسمِ رسم میں کافی
 دستگاہ رکھتا ہو۔ علمِ کلام کے شواہات سے بھی واقف ہو۔
 یہ ضروری نہیں کہ اُس کی تقریر میں ملکات مذکورہ بھی پائے
 جائیں۔ بے شک اگر وہ کسی مبحثِ علمی پر گفتگو کرے تو معلوم
 کے دریا بہا دے۔ نکاتِ علمیہ کے ذخیرے فراہم کر دے۔
 لیکن اگر اُس کی تقریر مذکورہ بالا کسی ایک ملکے کے ماتحت
 نہیں تو سامعین کی جاؤ بہت خیال غیر ممکن۔ اگر کسی میں صرف
 بلاغت ہی بلاغت پائی جاتی ہے، تو بھی خواص سے قطع نظر
 کرتے ہوئے سماعتِ عامہ پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ اُس کے
 مقابلے میں ایک فصیح مقرر خواص و عوام دونوں کو محظوظ
 کر سکتا ہے۔

منبرِ عقیدت پر ہمارے سامنے نظم و نشر دونوں کی قریب
 مثالیں موجود ہیں۔ نظم مرتبہ میں "انیس و دبیر" مقررینِ عقیدت
 میں مولوی سیاح حسن صاحب مخفورا اور مولوی سید محمد رضا
 صاحب مرحوم (شمس پوری)

انیس و دبیر کے دیکھنے والوں کو آپ نے یقیناً
 دیکھا ہوگا۔ اور مؤخر الذکر مقررین کو تو آپ نے شاید خود بھی سنا ہوگا۔

خود اندازہ کریجیے کہ مرتبت عامہ کسے حاصل تھی۔ سچ تو یوں
ہی ہے، جیسا امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد
فرمایا: "نِعْمَ النَّاخِرُ جَوَابُ الْحَاضِرِ" جواب کی برتری
بڑی چیز ہے۔ واقعی اسی شخص کو موقع کی سوجھتی ہے، جو
فطرتاً ذی ذہن ہوتا ہے۔

جناب زمینت کی فصاحت کلام اور بلاغت بیان
کے ایسے لوگ شاید ہیں جنہوں نے اُن کو اپنی موڈیاں کھوں
سے دیکھا، اور اُن کے کلام کو مشتاق کانوں سے سنا۔ یہ
کوئی کہانی نہیں ہے جو کہدی گئی۔ کسی نے مافی کسی نے نہ مانی۔
ایک ایرانی کہتا ہے:

تکلم کردنش آہرہ دید و فاش می گشت

زبان حیدری گویا کہ در طے لسان ارد

(جو شخص جناب زمینت کی تقریر سنا تھا، کہ اُٹھتا تھا کہ برا شبہ

اُن کی زبان میں علی بن ابی طالبؑ کی ٹرک موجود ہے۔

اشعار و خطبات جناب زمینت واقعہ کر بلا سے پہلے نہیں

پائے جاتے۔ جس طرح جناب فاطمہؑ کے اشعار صرف تعزیت

رسول اللہؐ میں پائے جاتے ہیں اُن کے سوا کچھ نہیں۔ یا

اسی قبیل کے اور دو چار اشعار۔ مثلاً :

مَا ذَا عَلَيَّ مِنْ شَيْءٍ تَرَبَّيْتُ بِهِ أَحْمَدُ أَنْ لَا يَشْتَمُّ مَدَى الْمَرْفَاقِ شَوْلِيَا

(اللہ جانے یہ کیا بات ہے جس نے خاکِ تربتِ احمد سونگھ لی

مدتِ عمر و دنیا کی کوئی خوشبو لینا نہیں چاہتا۔)

صَبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْفَتِيَا صَبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْفَتِيَا

(وفاتِ پدر سے مجھ پر ہیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اگر وہ دوبارہ

نازل ہوتیں تو سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔)

جنابِ زینت کے ارشادات میں صرف شکایت

آمینِ حزن و ملال یا افتخارِ خاندانی کے اظہار کے سوا کوئی

دوسری چیز نہیں ملتی جو عرب کے کسی تمدنِ خاص پر روشنی

ڈالتی ہو۔ یا شاعرانہ فطرتی تراکٹوں کی حامل ہو۔ ہاں ایک

خصوصیت ضرور ہے جو ان کے قلم و دماغ میں ہونی لازمی

تھی۔ وہ کیا؟ وہ صحیح احکامِ خدا و رسول کے اثراتِ بجلالت

خداوندی، عظمتِ نبوی، اور شانِ امامت کا صحیح غہوم و ماحول

ہی ایسا تھا کہ جو کچھ کہتا ہے وہ فصاحت و بلاغت کی گہوتی پر

کھراؤن ہے۔ اس میں مکالمہ ہو یا محاکمہ، نظم ہو یا شعر

اگرچہ عرب کی شاعری عام طور سے سچے واہ و افسانہ

فخر ذاتی و خاندانی سے مملو ہے، حتیٰ کہ مرثیہ بھی مرنے والے کے
اوصاف بشری کا مرقع ہوا کرتا ہے، جن کے فقدان پر صحیح
ما تم کیا جاتا ہے۔ مرحوم کی لایحی مدح سرائی نہیں ہوتی۔

مرثیہ زینب بنت الطزیر
اپنے مقتول برادر کے غم میں

(یہ عنوان حضرت ناصر الملک کی توجہ خاص کا ممنون احسان ہے)
اس خاتونِ عرب کا ذکر میں نے اس سے قبل کیا ہے اور
ناظرین سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ آگے کسی موقع پر اس
شاعرہ عرب اور جنابِ زینبؑ کے جذباتِ مرثیہ برادر کا
تقابل پیش کروں گا۔ جس سے دوہنام خوانینِ عرب کا
مفہوم مرثیہ سے صحیح تعلق کا اندازہ ہو جائے۔ چنانچہ
کہتی ہے:

ارحی الاثل من بطن العقیق مجاورى [میں دیکھتی ہوں کہ
مقیما وقد غالت بزید غوائل] وسط وادی عقیق میں
مضبوط چنار کے بے ضرر درخت کھڑے ہیں۔ لیکن
میرا سرو قد بھائی وہاں قتل ہو گیا۔
درختِ اثل کی جڑ بہت مضبوط ہوتی ہے۔ جھٹی لوگیستان میں

جما رہتا ہے۔ شاعرہ نے اپنے بھائی (یزید) کی پامردی
کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے۔

قَتَّى قَدْ قَدَّ السِّيفُ لَامْتِضَائِلُ [(وہ سیف قد تھا
وہ لا رجل لبائے و اباجلہ [ٹھٹھکن نہیں تھا۔
نہ اُس کا سینہ اور پہلو جھکے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ
ایک لمبا اور چوڑا چکلا گبر و جوان تھا۔)

اِذَا نَزَلَ الْأَضْيَافُ كَانَتْ عَذْوَرًا [(ایسا مہماں نوا
علیٰ الحی حتی تستقلّ مراحِلہ [تھا کہ جب مہماں
آجاتے تھے تو ملازموں سے سخت گیری کرتا تھا جب تک
دیکھیں چوٹے پر چڑھ نہ جائیں) یا پورے قبیلے پر گرم ہو جاتا تھا۔
مَضْنَى وَفَرِشَاءَ دَرَبِیْنَ مَفَاضِیْنِ [(وہ بہاورداد
وَابِیضَ هِنْدٍ یَا طَوِیْلًا حِمَاً [شجاعت دے گیا۔
ایک پرانی ررہ ہمیں میراث میں ملی اور ایک ہندی سیف
جس کی حائل دراز تھی۔)

وَقَدْ كَانَ یُرْوِی الْمَشْرِفَ بِكَفِّهِ [(اپنے ہاتھ سے
وَيَبْلُغُ أَقْصَى حَجْرَةِ الْحِیِّ نَائِلًا [اُس سیف کو
(خون سے) سیراب کرتا تھا اور دور دور کے قبائل میں

اُس کی شجاعت کے ڈنکے بجتے تھے۔

کر لہر اذا لا فلیہ متبیتاً [ایسا سخی کہ جب لو
و اما تو لے اشعث الرا اس جافلہ] خندہ پیشانی سے
پیش آتا تھا۔ اگر واپس ہوتا تو ذاتی معاملات کی الجھنوں
میں مصروف ہو جاتا۔

اذ القود اموا بیلث فھو عامد [اگر لوگ اُس
لاحسن ماظنوا بہ فھو فاعلہ] کے گھر آ کے
استمداد کرتے تھے تو وہ تیار ہو جاتا تھا اور گمان سے
کہیں زیادہ کر گزرتا تھا۔

و کنت اعدی اللہ مع قبلاک من بکی [مردوں پر ایسی
وانت علی من مات قبلاک شاغلہ] روتے والی
کہ لوگ مجھے دیکھ دیکھ کے رو پارتے تھے۔ مگر میری موت
نے تو ان سب کو بھلا دیا۔

فتی التین کبیل الحلم بسط بٹانہ [تھا تو جوان عمر
وسیع۔ و کفاه الندی وانا ملہ] مگر بڑھوں کا سا
حلم کھتا تھا۔ اُس کی سخاوت کو نہ پرچھو، پور پور سخی تھی۔
(حماسہ - باب المراتی)

مرثیہ زینبؑ بہ غم حسینؑ

فهلّا اخی قبل الممات هنیئۃً
لتبرّد منی لوعةً وغلیل
ماں جاے! قبل مرگ ذرا ٹھہر جاؤ کہ آتشِ قلب تمہارے دیدار
سے ٹھنڈی ہو لے۔ (یہ شعر وقتِ رخصتِ آخر فرمایا تھا)
علی الطّف السّلام و سآکنہ و روح اللہ فی تِلْكَ الْقَبَاب
کربلا اور اس کے ساکنوں پر سلام ہو۔ اور ان پر رحمتِ خدا
ہو جو ان قبوں میں مدفون ہیں۔

مضاجعہ فتنۂ عید و وفاموا ہجو عافی الفساد و الشّباب
اُن نوجوانوں نے حقِ عبادت ادا کر کے استراحت کی۔ اور جب
نمیز کا جھونکا آیا تو پہاڑ اور گھاٹیوں میں سو گئے۔

علیہم فی مضاجعہم کعباً باوراق منعمۃ رطاب
(ایسے پیسے) کہ حورانِ جنت نے اُنھیں مزاروں میں
آگے سیراب کیا۔ نفیس اور تروتازہ انگوروں سے۔

وخصّرت القبور لھم قصراً منّا خاذاً اَفْنِیۃ رِحاب
یہ قبریں اُن کے آرام کے محل بن گئیں۔ اور ایسی منزل
جو وسیع و کشادہ ہے۔

لَنْ يَؤْتِيَهُمْ أَطْبَاقُ أَرْضِي كَمَا أَغْدَتَ سَيْفًا فِي قِرَابِ
اگر انھیں پر وہ پسے زمین فے پٹناں کر دیا۔ تو ایسا سمجھو
جیسے میان میں تلوار رکھ دی۔

فَقَدْ نَقَلُوا إِلَى جَنَّاتٍ عَدَّتْ وَقَدْ عِصَّوُا النَّعِيمَ مِنَ الْعَذَابِ
نقل مکان کر کے وہ جنت میں پہنچ گئے۔ تکالیف دُنیا کے عوض
انھیں نعماتِ خلد عطا ہوئے۔

فَلْيَ قَلْبٌ عَلَيْهِ ذَوَالِہِ قَابِ رَحْمَتِہِ عَلَیہِ ذَوَالِہِ قَابِ
بدامی حسینؑ میں میرے دل سے شعلے نکل رہے ہیں۔ اور
آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہو رہی ہے۔

ان دونوں مرثیوں میں جو بات قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ
زمین بنت الطریہ کے اشعارِ غم میں حیاتِ براور سے محروم
ہو جانے کا ہر دردناک پہلو پایا جاتا ہے۔ نیز اُس کے
اوصافِ بشری اور شجاعت و دلیری کا بہترین مظاہرہ
کیا گیا ہے۔ لیکن اُن میں عقائدِ بعد الموت۔ اور سکونِ روحانی
کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شاعرہ زمانہ جاہلیت
سے تعلق رکھتی ہے، جس وقت اسلام کے تلقین کردہ برکات
روحانی کا وجود ہی نہ تھا۔

برخلاف اُس کے جنابِ زمینت کا ہر دروانگیر شہر شہدا
کے ذکرِ شجاعت و حمایتِ حق کے ساتھ ساتھ التذافر و
نعماتِ خلد اور جزائے خیر کا مظہر ہے۔ عقائدِ اسلام
کے مطابق جن سے روح شہدا کو سکونِ ابدی میسر ہوا۔

خطبات

پہلا خطاب جو جنابِ زمینت نے، کوفے کے دارالامان
میں مجمعِ عام کے سامنے ابنِ زیاد و ملعون (حاکمِ کوفہ) کے
کیا ہے، اُس کے متعلق بشر بن خزیمہ الاسدی چشم دید
واقعہ حوالہ قلم کرنے ہوئے یوں رائے ظاہر کرتا ہے:

وَنظَرْتُ إِلَى زَيْنَبَ بِنْتِ عَلِيٍّ يَوْمَئِذٍ - وَ
تَرَحُّفَرَةً قَطَّ الْفُوقَ مِنْهَا - كَانَهَا تَفْرَعُ مِنْ لِسَانِ
امير المؤمنين علي بن ابي طالب - وقد اوسست
الى الناس ان اسكتوا فارتدت الانفاس
وسكت الاجراس - ثم قالت الحمد لله والصلوة

على ابي محمد وآله الطيبين الاخيار = الخ

”میں نے آج زمینت بنتِ علی کی فصاحتِ خیر تقریر سنی۔
اس سے پہلے ایسی طرار عرب عورت میری نظر سے نہیں گزری۔

جس نے اپنے مخالف کو ایسے دندان شکن جوابات دیے ہوں۔
وہ کیا بول رہی تھیں گویا خود علی بن ابی طالب بول رہے تھے۔
انہوں نے بول ہی مجمع کی طرف اشارے کیے۔ خاموش!
فوراً سکوت چھا گیا حتیٰ کہ زیدی نقاروں کی آواز بھی بند
ہو گئی۔ اُن محترمہ نے حمدِ خدا کی۔ رسولِ اور اُن کی آل پر صلوات
بھیجی اور خطبہ شروع کر دیا۔

اللہ اللہ! اس عالم گرفتاری و بے کسی میں۔ اور پھر
ایک عورت ذات میں ایسی قوتِ تصرف پیدا ہو جائے
کہ دوست و دشمن سب پر ایک اشارے سے سکوت طاری
ہو جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا؟

بظاہر اس کے دو وجوہ معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ
اُس سلسلہ جلیلہ کی ایک قریبی کڑی تھیں۔ جہاں سے
کمالات و تصرفات روحانی کے درپے ہیں۔ ممکن ہے
کہ ماحول کے ناگوار اثرات سے متاثر ہو گئے روح میں
ایک کیفیتِ جذب طاری ہو گئی ہو جس کا دباؤ عوام
کی غیر متماضر ارواح پر پڑ گیا ہو۔ وہ تو سلطانِ اولیاء
علی کی صاحبزادی تھیں۔ ایک منجھا ہوا بازیگر بھی تھا دکھانے

وقت اپنی قوت راوی کے اثر سے مجمع کے حواسِ خمسہ کو اپنا
 تابع کر لیتا ہے اور جو اُس کی کھڑی وقت بتاتی ہے اُس کی
 موافقت سب کو گھڑیاں کر جاتی ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ تصرف
 مجازی! حقیقت وہی بجا نہیں جو ادبِ حقیقت ہیں۔
 یا پھر یہی وجہ یہ ہے کہ کوفے کے باشندے ایک
 مدت تک علی بن ابی طالب کے فیوضاتِ روحانیہ اور
 خطباتِ علمیہ سے مستفیض ہوتے رہے۔ فطرتِ انسانی
 ہے کہ ایک فردِ کامل کے معدوم ہو جانے کے بعد اُس کے
 صحیح جانشین کی تلاش ہوتی ہے۔ انگلیں ترستی ہیں۔
 گوشِ برآواز اذہمت ہے کہ پھر وہی صدا آئے۔ مگر یہاں
 خطابت میں نہ تو حسن ہو جیتے نہ حسین۔ پھر عوام کس کے
 کلام سے لذت اندوز ہوتے۔ کہ یکا یک کوفے کے دارالامان
 میں اُس خطرِ بے بدل کی پیاری بیٹی زمینِ تفریر مگر
 کھڑی ہو جاتی ہے۔ حیرت انگیز نظریں اٹھ جاتی ہیں۔
 حاضرین پر سکوت چھا جاتا ہے۔ وہی ایک گوشِ نثار
 جملوں کے بعد جب علی مرتضیٰ کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے
 تو مجمع کے ایک گوشے سے کسی مردِ ضعیف کی گمراہ آواز

اس طرح بلند ہونے لگتی ہے :

بَابِي اَنْتُمْ رَاْحِيْ كُھُوْلُكُمْ خَيْرٌ حَوْلِيْ وَلَسَاءُ كُمْ خَيْرٌ لِّسَاءِ
(اے آلِ رسول میرے ماں باپ تم پر قربان ہاں اٹھا لے
مرد و دنیا بھر کے مردوں سے افضل۔ اور تمھاری عورتیں
تمام عالم کی عورتوں سے بہتر ہیں)

قاعدہ ہے کہ بیٹا باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور بیٹی ماں سے۔
سوائے جنابِ فاطمہؑ کے جن کی نسبت کہا گیا ہے :

كَانَتْ مَشِيَّتُهَا مَشِيَّتَ اَبِيْهَا رَسُوْلِ اللّٰهِ وَمَنْطِقُهَا
مَنْطِقُهُ (جنابِ فاطمہؑ کی چال ڈھال، بات چیت یعنی
اپنے پدر بزرگوار، رسولِ خدا کی سی تھی)

یا پھر اسی سینے کی پرورش یافتہ جنابِ زینبؑ ہیں اپنے
پدرِ عالیِ مقدس حیدرِ کبریاؑ کے خصوصیات پائے جاتے ہیں۔
اہلِ کوفہ اُن کی آنقریں کے بہوت نہ ہو جانے تو پھر کیا
ہوتے :

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمنِ اسلام بیزیرا وراس کے معاویہ
کے استبدادِ ادا و ظالمانہ طرزِ عمل پر ایک عورت نے نظرِ تنقید
ڈالنی شروع کر دی تھی جس کی تجرأت اس وقت تک کاہن

عرب کو بھی نہیں ہوتی تھی۔ لہذا حکومت وقت کے خلاف
جناب زینت کی یہ پہلی صدائے احتجاج تھی جس نے عوام
کے رجانات اپنی طرف کر لیے۔
آج مسز سرور جی نائڈو حکومت کے کسی قانون کی مخالفت
لئے عرشہ خطا پر کھڑی ہو جائے تو بڑے بڑے سیاسی مرد میدان
وہ اثر نہیں پیدا کر سکتے، جو اس کی نسائی شخصیت کو
گزرے گی۔

قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ آج مسلم خواتین میں مذہبی
شوقِ علم ویسا نہیں جیسا ہونا چاہیے۔ خاص کر ان دخترانِ
اسلام کو تو ضرورتاً توجہ کرنی چاہیے جن کو آلِ رسول سے نسبت ہے
ان کے سلفِ مکرم علی مرتضیٰؑ فرما گئے ہیں:
رَضِينَا قِسْمَتَ الْجَبَّارِ فَبِنَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْاَعْدَاءِ مَالٌ
(مرضیٰ مولیٰ! ہم کو اُس نے دولتِ علم عطا کی اور ہمارے
مخالفین کو مال دیا ہے)
ایک سید عراق کی زامت جہلی۔

علامہ شیخ محمد باقر قزوینی جو بڑے محدث فقہ اور عالم
جلیل مانے جاتے ہیں اور جن کی ستر نقیض کبریٰ تیار ہے

اپنی تالیف کنگول میں لکھتے ہیں: "میں جس زمانے میں بغداد
تخصیلِ علم نجف اشرف میں تھا مجھے یاد ہے کہ ایک روز ایک
سید نجفی جن سے میں بخوبی واقف تھا، روضہ شریفہ میں مشغول
زیارت تھے۔ اسی درمیان میں ایک ترک قرآن مجید لیے آیا۔
اور قریباً قبرِ مطہر علی بن ابی طالب تلاوت کرنے لگا۔ سید
صاحب صرف سید ہی سید تھے، اور مشرفِ علم سے بے پروا۔
اُس ترک کو اپنے جد کی قبرِ مطہر پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے
ہوئے دیکھ کر ایسے نادم ہوئے کہ کانٹو تو امو نہیں۔ اپنے
دل میں کہنے لگے: ایسی سیاوت کس کام کی جس کے ساتھ
اجداد کی علمی وراثت ہو۔ ہم مدعی ہیں کہ قرآن ہمارے
بزرگوں کے گھر میں نازل ہوا۔ مگر ہم کو اُس کا علم نہیں اُس
مبارک ساعت سے اُن حضرات میں احساسِ ندامت کے
ساتھ تحصیلِ علم کا ایسا شوق پیدا ہو گیا کہ مصروفِ کتاب ہو گئے
دن کا نصف حصہ کسبِ معاش اور پرورشِ عیالی میں صرف
کرتے تھے، اور باقی طلبِ علم میں۔ پھر تو بہت جلد یعنی سال
ہی دو سال میں وہ حجۃ الاسلام میرزا محمد حسن شیرازی کے
حلقہ درس میں بیٹھنے لگے۔ اُن کے احباب متخیر سوچ کے کہتے تھے

اس شخص کی ترقی علم اور اس قدر جلد! برکت سیادت ہے۔
اور اللہ کی دین۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے کے بعد ان کے متعلق درجہ
اجتہاد کا گمان ہونے لگا۔ "نوجوان سیدوں اور سیدانوں
کو سبق لینا چاہیے۔"

مہمان سے برتاؤ

قوم عرب کے ذکر کے ساتھ کسی دوسری قوم کی مسافر
نوازی، اور مہمان داری کا ذکر ایسا ہے جیسے سورج کے
سامنے پھلجھڑی چھوڑ دی۔ تمدن عرب میں بالکل درست
لکھا ہے کہ قوم عرب ضیافت انسانی کی جیتی جاگتی تصویر
تھی۔ مہمانوں کے لیے جان وید پناہ وہ اپنے لیے خطرہ اتیان
سمجھتے تھے۔ عرب نے حاتم طائی جیسا سخی پیدا کیا جس کی
مثال دنیا کی تاریخ میں پیش کر سکتی۔ بنی ہاشم توجو دو
سخا میں مشہور تھے ہی۔ مگر رسول ہاشمی و مطلبی نے پیدا ہونے کے
اپنے خاندان کے اوصاف جمیلہ کا جھنڈا ایسا بلند کر دیا۔
کہ انقلابات اقوام سے الگ اس کا پرچم ہمیشہ عالم تمدن
میں لہراتا رہے گا۔

غربت کدہ علی مرتضیٰ، نعمت کدہ حسن مجتبیٰ اور مظلوم کدہ

حسین گلوں قبا پر تو رات دن ہمارا نوازیں ہوتی ہی
 رہتی تھیں۔ جن کے انصرام و اہتمام میں جناب زینب کا پیش
 پیش رہنا لازمی تھا۔ وہ تو میکا تھا جو کچھ کرنیں کوئی ہاتھ
 روکنے والا نہ تھا۔ رب العزت نے سہرا ل بھی ایسی سخی
 مرحمت کی کہ اُن کے جو دو کرم کے ماحول میں ذرا بھی فرق
 نہ آیا۔ حتیٰ کہ سفر اور حضر دونوں اُن کے لیے اس معاملے
 میں یکساں تھے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ سے امام حسینؑ مع
 عیال عراق کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں زہر قین
 بجلی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے قبیلے کے معزز فرد تھے
 زوجہ بھی ساتھ پولیس۔ اسی طرح بہت سی انصار کی عورتیں
 تھیں۔ جناب زینبؑ نے اس عالم غربت میں بھی سب کی
 خاطر ہر طرح ملحوظ رکھی۔

جناب زینبؑ نے اعدا کی کثرت اور حسینؑ کے معاونین
 کی قلت پر نظر کر کے بھائی کو مشورہ دیا کہ تم بھی اپنے دوستوں
 کو بلاؤ۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے بھینے کے دوست
 حبیب بن مظاہر کو کوئے خط لکھا۔ وہ فوراً کر بلا آ گئے۔
 جناب زینبؑ کو جب اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو اُن کو

سلام کہلا بھیجا۔ حبیب نے اس اعزاز کو اپنے لیے سزاوی
وغرتِ آخرت کا وسیلہ سمجھا۔

اسی طرح حُربِ یزدریاچی۔ جو شکرِ یزد کا ایک
رسالہ دار تھا۔ اور حسین کو کوفے کی طرف لانے کے لیے
متعین کیا گیا تھا۔ دسویں محرم کو امام سے آ ملا۔ جناب
زمینت بہت خوش ہوئیں اور ایک رومال جو جناب
فاطمہ کا تھا: حُر کو تحفہ بھیجا۔ نسخ النوارِ مخ میں لکھا ہے
کہ یہ رومال حُر نے اپنے گلے کے زخم پر وقتِ جنگ
باندھ لیا تھا۔ اور شاہ اسماعیل صفوی کے اصرار سے بغیر
تحقیقِ حیاتِ شہداء اُس شہید کا ایک تختہ قبر سر کا یا گیا۔
دیکھا کہ کفنِ خوشچکان ہے اور گلے میں ایک سفید رومال
بندھا ہے ۵

اس خوشچکان کفن میں ہزاروں بناوٹیں
پڑتی ہیں آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
دشت کر بلا کے اس پہلے سنتری نے دُنیا بھر کے
شہداء کے راہِ خدا کی طرف سے امتحان دے کے اُن کے
بقائے دوام کی سند پیش کر دی:

ہرگز نیرودا نہ کہ : لسن زندہ شد عشق

نیت درست ہے چرچہ عالم و دواہم ما
جس وقت جناب زینت زخمی ہو سکے گھوڑے گریے
تو امام حسین کو جناب زینت نے فودا خبر گیری کی طرف
توجہ دلائی اور بہت محروں ہوئیں اس تعزیت مہمان کو
انہیں نے جناب زینت کی زبانی یوں نظم کیا ہے:
میں پیٹے کو راشہ مہمان پر آؤں گی
میں اس کے واسطے صدف ماتم بچھاؤں گی

بھائی سے الفت

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ جناب زینت امام حسین سے
بہت محبت کرتی تھیں اور آنجناب بھی انھیں جناب فاطمہ
کی جگہ سمجھتے تھے۔ لیکن محبت خواہر و برادر کا کوئی خاص
معیار قائم نہ تھا۔ اصلی محبت وہ ہے جو عمل کی کسوٹی پر
پور ہو اترے۔ چنانچہ جب مکے سے سفر عراق کا ارادہ
فرمایا تو اعزائے قریب کو اطلاع ہوئی۔ محمد بن حنفیہ
ان کے علاقائی بھائی عبداللہ بن جعفر ان کے بیٹے
بھی تو آئے اور اس ارادے سے باز نہ کھنے کی کوشش

کی۔ اسی سلسلے میں اُن کے چچا عبد اللہ بن عباس بھی
 آئے اور ترکِ دنیا کے خلاف اصرار کیا۔ جب دیکھا
 کہ حسین کسی طرح ملتے ہی نہیں، تو کہا: ”حسین اگر تم
 سوئے ہلاکت جا رہے ہو تو ان خواتین اہلبیت کو اپنے
 ساتھ کیوں لیے جاتے ہو؟ انھیں یہیں رہنے دو۔“
 یہ بات جنابِ زینبؓ کو ناگوار ہوئی اور فرمایا: ”اے
 ابنِ عباس آپ ہمارے والی وارث کو یہ مشورہ دیتے
 ہیں کہ وہ ہمیں تنہا چھوڑ جائیں۔ بخدا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔
 ہماری موت و زلیست اُن کے دم سے وابستہ ہے۔ اگر
 اُن کے دشمن دنیا میں نہ رہے تو پھر ہم کس کے ہو کے
 رہیں گے؟“

اطاعتِ شوہر

جنابِ زینبؓ نے جب اچھی طرح سمجھ لیا کہ امام
 کو اُن کے ارادہ حرکت سے کوئی روکنے والا نہیں۔
 چاہے ادھر کی دنیا او دھر ہو جائے وہ ضرور شریف
 لے جائیں گے۔ تو خود بھی اپنے شوہر عبد اللہ بن جعفر کے
 پاس بہانے اجازت آئیں۔ منہ سے تو کچھ نہیں بولیں



ہاں زار و قطار روئے لگیں۔ شوہر نے سبب گریہ پوچھا
تو کہنے لگیں کہ آپ کو معلوم ہے میرے مانجھے حسین
نے سفر عراق کا ادا وہ کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے
کہ مجھے اُن سے اور اُنھیں مجھ سے کس قدر اہلس ہے۔
میں بھی ساتھ جاؤں گی، آپ کی اجازت چاہتی ہوں۔
اگر نہ دیکھیے گا تو خیر نہ سہی۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ بغیر اُن کے
میرے جینے کے لالے پڑ جائیں گے۔

جناب عبد اللہ یہ سن کے آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:
سر و چشم حسین کے معاملے میں اور میری طرف سے
انکار نہ جناب زینب اس جواب سے سرور ہوئیں،
گویا جان میں جان آگئی۔

سفرِ کر بلا اور ایک غیبی آگاہی

المختصر فاقہ حسینی کے کوچ کا دن آگیا۔ عزیز واقارب
رخسرت کے لیے منزلِ حسین پر جمع ہو گئے۔ جو ہوا سو ہوا۔ کتے سے
چل کر جب منزلِ خزیمہ پہنچے تو ایک شبانہ روز قیام کیا۔
صبح کو جناب زینب بھائی کے پاس آئیں اور کہا: ”بھتیجا!
شبِ گزشتہ عجیب کلام سے میرے گوشِ آفتاب ہوئے۔ امامِ حسین

بڑے اطمینان سے پوچھتے ہیں: ”ہن کیا بات ہے“ جیسے پہلے ہی سے جانتے تھے۔ ہن نے کہا: ”میں نے آدھی رات کے وقت کسی کو یہ اشعار پڑھتے سنا“ معلوم نہیں کس کی طرف اشارہ ہے!

أَلَا يَا عَيْنٌ فَأَخْفِي بِجَهْدٍ وَمَنْ يَكُنْ عَلَى الشَّهَادَةِ
اے آنکھ! چھپا رو سکتی ہے، ولے۔ بعد کو شہیدوں پر کون روئیں گے؟
عَلَى قَوْمٍ تَسُوْقُهُمُ الْمَنَاسِيَا بِمَقْدَارِ رِيَالِ الْخِزَارِ وَعَدِ
اُن پر، و جن کو موت مقام ہو غورہ پر لیے جاتی ہے۔
امام حسینؑ نے فرمایا: ”يَا اخْتَارَ كُلِّ الدُّنْيَا قَضِيًّا
فُحْوَكَائِي“۔ اے ہن! مقرر کا لکھا مسٹ نہیں سکتا۔
اس واقعے سے جنابِ زمیں کا ثباتِ قدم اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

شوہرِ زمیں اور امام حسینؑ

اُس کے بعد جب مقامِ تنفیم پر حسینی قافلہ ٹھہرا، تو
اُس وقت عبد اللہ بن جعفر نے اپنے دونوں فرزند
عَوْن و محمد کو ایک خط کے ساتھ خدمتِ امام میں بھیجا
جس کا مقصد یہ تھا: ”برائے خدا اس کو دیکھتے ہی آپ

آگے کوچ نہ کیجے گا میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ البیان ہو
کہ یہ سفر آپ کے لیے باعثِ ہلاکت ہو۔ اگر خدا نخواست
آپ کا وجود اسلام میں باقی نہ رہا تو گویا شمعِ توحید گل ہوئی
آپ کی ذات ہادیوں کی ہادی ہے اور ایمان والے آپ
ہی سے فیض پاتے ہیں۔ اگر جانا ہی ہے تو ذرا جلدی کیجیے
گا۔ اس خط کے بعد میں بھی حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔

بہر حال عبداللہ حاضر خدمت ہوئے اور التوائے سفر
کے لیے بہت کچھ الحاح و زاری کی۔ مگر حسینؑ نے فرمایا کہ
میں اپنے نانا رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ انھیں
کے حکم سے ایک مہتمم بالشانِ کام کے لیے جا رہا ہوں۔
انھوں نے پوچھا: ”آخر وہ کونسا کام ہے؟“ ارشاد فرمایا:
”یہ وہ راز ہے جس کو میں تا زلیت افشا نہیں کروں گا۔
حتیٰ کہ دربارِ خداوندی میں پہنچ جاؤں گا۔“

عبداللہ بن جعفرؑ کو اب کوئی اصرار کی گنجائش باقی
نہ رہی۔ اپنے فرزندوں کو پاس بلایا اور حکم دیا کہ نصرتِ
حسینؑ میں اپنی جانوں کو غریزہ نہ رکھنا۔ اور قدموں پر نثار
ہو جانا۔ جنابِ زمینت شوہر کے اس طرزِ عمل سے بہت

خوش ہوئیں کہ خاندانِ عقیل سے بھی دوپختے راہِ خدا میں
 قربانی کے لیے شامل ہو گئے۔ اس مقام پر یہ خیال پیدا
 ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حسین کی معیت کیوں نہ اختیار
 کی۔ اور فرزندِ رسولؐ سے اپنی جان کو عزیز رکھا؟

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر نہیں! اتفاقِ علمائے
 کرام کو خود امام حسینؑ نے معیت سے منع فرمایا اور حکم دیا
 کہ تم چونکہ اپنے جوہر و کرم کی وجہ سے محبوبِ خلافت ہو، لہذا
 تمہارا فرضِ اولین یہ ہے کہ میری عدم موجودگی میں بقیہ
 نفوسِ بنی ہاشم کی حفاظت کرو، یزیدِ جن کا درپے آنا ہے۔
 یہی نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ خاندانِ رسولؐ صفیٰ ہستی سے
 رست چلے۔

دوسری بین دلیل اُن کی موافقت میں یہ ہے کہ انسا
 فطرتاً اولاد و زکوٰۃ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔
 اور اپنی زندگی پر اُن کی حیات کو ترجیح سمجھتا ہے۔ بھلا
 ہو سکتا ہے کہ عبداللہ اپنے دونوں صاحبزادوں کو تو حسینؑ
 کے ساتھ شہید ہونے کے لیے بھیج دیتے اور خود پہلی
 کرتے۔



مشہور ہے کہ جب خبر شہادتِ امام حسینؑ عبد اللہ بن جعفر کو پہنچی تو فرمایا:

أَلْحَدَ لِلَّهِ عَزَّ عَلَى مَصْرِعِ الْحُسَيْنِ - إِنَّ كَلَامَ آسِيَةٍ حِينًا فَقَدْ آسَاءُ وَلَدَائِي - (شہادتِ حسینؑ مجھ پر سخت دشوار ہوئی۔ اگر میں نہ کر سکا تو میرے دونوں فرزند حقِ مواسات ادا کر گئے۔)

دوسری خبر یہ ہے کہ جب اُن سے کہا گیا کہ عون و محمد آپ کے فرزند بھی شہید ہو گئے تو ایک غلامِ خانہ زُمر (ابو السلاسل) بھی سُن رہا تھا۔ روکے کہنے لگا: "هَذَا مَا لَقِينَا مِنَ الْحُسَيْنِ" (حسینؑ کی اُلفت کا ہم کو یہ نتیجہ ملا) جنابِ عبد اللہؑ نے یہ سُن کے اُس کی سخت سرزنش کی۔
محمد بن حنفیہ

اسی طرح امام حسینؑ کے نقیبِ بھائی محمد بن حنفیہ بھی شرکتِ شہادت سے محروم رہے۔ اول تو اُنھوں نے اپنے پدرِ بزرگوار کے زمانے میں ایسا ہی زبردہ چڑالی تھی جس سے سیدھے ہاتھ کی اُنگلیاں بیکار ہوئی تھیں۔ دوسرے غلیل تھے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں حضرات کے عذر

عقل سلیم کے نزدیک مقبول ہیں۔ اور سب سے زیادہ کھلی ہوئی بات تو یہ ہے کہ فرشتہ دار میں قدرت کی طرف سے اُن کا نام درج ہی نہیں ہوا تھا۔
امام حسینؑ اور بن کی بزرگداشت

جہاں بھی آپ جنابِ زینبؑ کے حالات پڑھے گا تو آپ کو یہ خصوصیت ملے گی کہ امام حسینؑ باوجودیکہ اُن سے عمر میں بڑے تھے مگر اُن کے برتاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ جھوٹے تھے اور کوئی کام پیر اُن کی مرضی کے نہیں کرتے تھے۔ علی مرتضیٰؑ نے جب سے کوفے کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا اُس وقت سے سُمران کا رہنا تو جنابِ زینبؑ سے ترک ہی ہو گیا تھا۔ میکے ہی میں رہتی تھیں۔ اور گھر کی بزرگ بن گئی۔ باپ اس عقلمند بیٹی سے معاملاتِ خانہ داری میں اکثر مشورہ لیا کرتے تھے۔ آنجناب کی وفات کے بعد امام حسنؑ کے ساتھ کوفے سے پھر مدینے واپسی ہوئی، تو اسی گھر میں رہیں۔ اور حسینؑ سے ایسی محبت کرنے والی اور ساتھ دینے والی کہ کربلا سے کوفے اور شام تک ساتھ دیا۔ اللہ جیسا بھائی تھا ویسی ہی بہن ملی۔

معاملہ جنگ اور زینت

عام طور سے جنگی معاملات میں مردوں کے سوا عورتوں کا کوئی دخل نہیں ہوا کرتا۔ لیکن خاندان کے نوجوانوں کی جب باری آئی تو حسینؑ کے پاس اذنِ جہاد کے لیے حاضر ہوئے۔ اُن جناب نے جنابِ زینبؑ کی مرضی کو مقدم رکھا۔ قاسم بن حسنؑ، عباس بن علیؑ، علی اکبر بن حسینؑ ان سب کو جنابِ زینبؑ ہی نے اجازتِ جنگ دی۔ مصاحبت اس میں یہ تھی کہ مرد کی تحریک سے کسی سپاہی کا جذبہ شجاعت اتنا نہیں اوجھڑتا جتنا عورت کی ترغیب سے (جنگِ حیدر کے حالات تو آپ نے سُنے ہی ہونگے۔ لشکرِ اسلام سے نبردِ آزمائی کے لیے نکلے تو زنانِ قریش کا ایک دستہ اُن کے عقب میں بغیرت و جوش و لالائے والا موجود تھا) اس اجازتِ جنگ کے سلسلے میں جنابِ زینبؑ نے کسی نوجوان بنی ہاشم کے احساساتِ بیسی و ناجاری کو براہِ مہجہ نہیں کیا بلکہ وقتِ اجازت وہی فقراتِ شتعال فرمائے جن کا مفہوم حسب دستورِ عرب (ہجرت) سے ملتا ہے۔ تھا۔ یعنی لڑنے والا اپنے مدِّ مقابل کے سامنے اپنا قاتل

تفوق۔ اسلاف کے دلیرانہ کامیابی اور خود اپنے گزشتہ
جی داری کے واقعات بیان کر کے اُس کو مرغوب کرنا
چاہتا تھا۔

حق تو یہ ہے کہ جس جنگ کا مطلع نظر نصرت حق ہو
خاندانی عزت کی حفاظت مد نظر ہو، یا ذاتی تفوق و شجاعت
کا ثبوت مقصود ہو تو اُس وقت غم و الم کے اظہار کا کیا
موقع۔ خاندان بنی ہاشم کا بیچہ عرب میں خونچکاں تلوار
سے کھیلتا تھا۔ اُس کے نزدیک مرجانا کوئی بڑی بات
نہ تھی۔ دلیروں پر اُس کی دلیری کے سکے بیٹھے ہوئے
تھے؛ اور آخر میں تو علی بن ابی طالبؑ نے اپنے دست
بازو سے شجاعت بنی ہاشم کی ایسی ساکھ بٹھا دی تھی کہ
العظۃ للہ۔ عرب تو عرب مصر و روم کے تلوار یے
اُن کے چہرے کی فرضی تصویر اپنی تلواروں کے قبضوں
پر کندہ کرا لیتے تھے، اور اُسے فتح کا مبارک شکون سمجھتے تھے۔
ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے دور حکومت سے
ابتدائے ہر قوم و ملت کے ہیوان بکیت، بھکیت، ظفریے
بنوئے پہلے اسی سادہ نوشت کا نام لے کے اکھاڑے مین

اُترتے ہیں اور اپنی طاقت و فن کا مظاہرہ شروع کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ کربلا کے یاوہگار معرکے میں تقریباً چالیس برس کی بھٹائی ہوئی و خاک کا خاتمہ بڑی شان سے ہو گیا۔ اور ضرورت بھی اسی کی واپسی تھی کہ شجاعت حیدری کو آخری عظیم الشان قربانی دے کے رخصت کیا جائے حسینؑ نے ویسا ہی کیا۔

میں نے اوپر بی بائم کے نوجوانوں کا ذکر کیا ہے جس کے ماتحت پیر و فرزند کی یکجہتی کو معنی خیز ہے۔ یعنی امام حسینؑ نے کسی منزل پر ایک تہیب خواب دیکھا۔ وہی ہو گا کہ جگر کے ٹکڑے راہ خدا میں خون آلود ہو رہے ہیں (علی اکبرؑ سے ذکر کیا۔ اور نہ معلوم کیوں نوجوان فرزند نے پوچھا: ”بابا! ازلستنا علی الحق کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“ فرمایا: ”بے شک تم حق پر ہو“ وہ استقلال کا جھنڈہ جواب دیتا ہے اذّا لستنا بالموّت (اب ہمیں موت کا کوئی ڈر نہیں) کسی دوسرے موقع پر قائم بن جانے بھی فرمایا ہے ”الموت احلیٰ من الفصل“

(موت شہد سے زیادہ شیریں ہے)

شجاعانِ اقوام کا یہی معمول رہا ہے اور رہے گا
کہ حفظ ناموس و شرف، یا حمایتِ شریعت و ملت کے لیے
موت کو فخر سمجھتے ہیں۔ یہو سلطان کا یہ تاریخی واقعہ
تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ جب انگریزوں کی فوج نے
۱۸۵۷ء میں سر لکناچم کے قلعے کو گھیر لیا تو اُس کے
مشیروں نے کہا: ”اب مقابلہ دشوار ہے“ وہ شہر دل
گرج کے بولا: ”سو برس کتے کی طرح زندہ رہنے سے
ایک دن کی شیرازہ زندگی لاکھ درجے بہتر ہے“ چنانچہ
معرکہ قتال کے بعد اُس غیور سپاہی کی لاش مقتولین
کی صفِ اول میں پائی گئی۔

یہ تو مردانہ شجاعت کا ذکر تھا۔ لیکن اپنے موضوع
تالیف کے سلسلے میں مجھے صنفِ نازک کی جگر داری کی
بھی چند مثالیں پیش کرنی ہیں۔ کیونکہ مجھے ناظرین کے ساتھ
ناظرات کو بھی خوش کرنا ہے۔

عورت کی شجاعت

شجاعت ہی نہیں ہے کہ ذرا سی بات میں تپو بکڑ گئے

شیائپ چلنے لگی، لوہا مان ہو گئے۔ جیسے زمانہ جاہلیت
میں قبائل عرب کی جنگ۔ خیر۔ مردوں کے لیے کچھ کہ
لجیے۔ فلاں تلوار کا دھنی ہے، فلاں بڑا کڑوا ہے۔
لیکن قدرت نے کیا عورت کے حصے میں شجاعت
نہیں عنایت فرمائی ہے۔ نہیں۔ ضرور مرحمت کی ہے۔
لیکن اپنے صحیح معنوں میں۔ یعنی استقلال کے ساتھ اپنی
مضرت کا دفاع۔

دنیا کی جنگ نواز عورتیں

اگرچہ تاریخ اسلام بلکہ دوسری اقوام کی تاریخوں سے بھی
نشان ملتا ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح پانچوں ہتھیاروں سے
لیس ہو کے دشمن کے مقابلے میں مردوں کی طرح نبرد آزما
ہوئی ہیں۔ جیسے عرب میں۔

اُمّ سلیم۔ انس بن مالک کی والدہ۔ جناب انس کی
جب دس سال کی عمر ہو گئی، تو ابو طلحہ سے عقد ثانی کر لیا۔
اور ان کے ہمراہ جناب اُحد و حنین میں شریک تھیں۔
اُمّ عمارہ (بنت کعب) جناب اُحد میں نہایت جرأت
و لاوری دکھائی (قاموس المشاہیر)

جون آف آرک (فرانسیسی دُختر) جب انگریزوں
 نے ۱۷۶۹ء میں فرانسیسیوں کو شکست دے کے شہر آئینس
 پر قبضہ کر لیا تو یہ جنگل میں گلہ بانی کر رہی تھی۔ محبت وطن
 نے جوش مارا۔ اور شہر میں آ کے فرانسیسی شکست خوردہ
 فوج میں اپنے آتشیں فغروں سے شجاعت کی گجھی ہوئی
 آگ بھڑکا دی۔ رن پڑا اور انگریزوں کو نکال دیا۔ ۱۷۶۹ء
 میں بھیرانگریزوں نے حملہ کیا۔ اس مرتبہ جون زخمی ہو کے
 قید فرنگ میں آئی۔ اور ایک ساحرہ قرار دے کے زندہ
 جلا دی گئی۔

لکشمی بانی (جھانسی کی رانی) غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں
 سے لڑی۔ پڑوس کے راجاؤں نے چونکہ اُس کی مدد نہیں
 کی، لہذا قلعے پر انگریز قابض ہو گئے، اور قریب تھا کہ گرفتار
 ہو جائے۔ عرب گھوڑا ران کے نیچے تھا، فصیل قلعہ سے
 ایڑ دی تو وہ برق رفتاری تڑپ کے نیچے آیا۔ رانی نے
 افغانوں کی ٹکڑی کے ساتھ گوالیار کی طرف باگ ہوڑ دی۔
 اور جاتے ہی اچانک شہر پر یغیر کر کے اُسے فتح کر لیا۔ راجہ
 فرار ہو گیا۔ اور یہ رانی قابض ہو گئی۔ اُس نے خزانے کے



دروازے کھول دیے، اور حکم دیدیا کہ جس کا جی چاہے
نُٹ لے۔ اور کیا؟

یہ سن کے جھانسی کی انگریزی فوج گوالیار پہنچی۔ رانی
تھوڑے سے مقابلے کے بعد کمزور پڑی۔ یہاں تک کہ ران
میں گولی لگ گئی۔ اُسی عالم میں چند دگواروں کے ساتھ
کاچی کی طرف بھاگی۔ انگریزی فوج نے تعاقب کیا جب
دُشمن بہت قریب آ گئے، اور قریب تھا کہ گرفتار ہو جائے،
تو کھوڑے سے اتر پڑی، اور ایک گھاس کی گنچی میں جو
جنگل میں کسان کی جمع کی ہوئی تھی، بیٹھ گئی اور اپنی ایک
سہیلی کو حکم دیا کہ آگ لگا دے۔ اُس نے تعمیل حکم کی۔
اور اس طرح وہ بہادر عورت خاکِ قید سے آزاد ہو کے
نقدِ آتش ہو گئی۔

چاند بی بی یا چاند سلطانیہ (حسین نظام
شاہ والی احمد نگر کی دختر) علی عادل شاہ والی بیجا پور کی
بیگم۔ شہداء میں بعد وفات شوہر ابراہیم عادل اُس کا
بھیجا مستحقِ سلطنت قرار پایا۔ چاند بی بی اُس کی طرف سے
ہماتِ سلطنت کی دیکھ بھال کرتی تھی اور واسیاست

دیتی تھی۔ ۱۵۹۷ء میں جب شاہزادہ مراد نے کن پور
 لشکر کشی کی تھی تو اُس نے احمد نگر کو مغلوں کی دستبرد سے
 بچا یا تھا۔ اس جنگ میں ہوشیار می مروانہ وار تھت
 اور استقلال جو چاند نے دکھایا وہ تاریخ میں یادگار
 ہے۔ میدان جنگ میں بے دھڑک آکے خود سلطانہ
 فوج کی کمان کی۔ مراد اس قدر عاجز ہوا کہ صلح کرنی پڑی
 ۱۵۹۹ء میں دوبارہ اکبر کی فوج نے احمد نگر پر یورش کی
 حبشہ خاں خواجہ سرانے بعض اہل قلعہ سے سازش کر کے
 چاند سلطانہ کو مار ڈالا۔ اور یوں قلعہ فتح ہوا۔

میر کا وکی۔ راجہ تھو با کی بیٹی، حسن و جمال، شجاعت
 و سخاوت میں یکساں تھے۔ اکبر کا زمانہ تھا۔ سارا
 ہندوستان فتح ہو چکا تھا۔ اُس نے (آصف خاں) گورنر
 آلہ آباد کو گڑھ منڈل فتح کرنے پر مامور کیا۔ وہ چھ ہزار
 سوار اور بارہ ہزار پیدل رے کے بغار کے لیے روانہ ہوا
 گڑھی کے سامنے رانی کے لشکر سے تصادم ہوا۔ ایسا شدید
 زٹ پڑا کہ فوج اکبری کے دانت کھٹے ہو گئے۔ میاں
 آصف خاں سلیمانی کشتہ کشتہ کرتے گئے کہ مالک قلعہ ہوا

لاج رکھنا۔ سوہ اتفاق سے رانی کی آنکھ میں ایک تیر
پوست ہو گیا۔ نوجوان فرزند بھی کام آیا۔ اب اس کی فوج
کے قدم اکھڑنے لگے، عالم یاس میں اپنے مہابت کی کمر سے
خنجر نکال کے اپنے پہلو میں پوست کر لیا۔ آصف خاں کو
خبر ملی تو اس نے گڑھ منڈل کا محاصرہ کر لیا۔ قبل اس کے کہ وہ
اندرواخل ہو، رانی کی بہادری سے متاثر ہو کے قلعہ کی تمام عورتیں
جلتی ہوئی آگ میں کود پڑیں۔

اسی شجاعت صنف لطیف کے سلسلے میں یہ تاریخی اطلال
بھی بر لطف ثابت ہو گئی کہ :

آمینز وئس۔ لاطینی زبان میں جس کے معنی (سینہ سپاٹ)
ہیں۔ ہزاروں سال پہلے یہ بہادر عورتوں کا گروہ کوہ قاف سے
اوتر کے افریقہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اور اپنے ہی گروہ کی ایک رانی
کا فرماں بردار اور اس کے حکم پر سر فروشی کرنے کو تیار رہتا تھا۔
اس گروہ کی لڑکی جب ابھاری کی عمر پہنچتی تھی تو جانبِ بہت
کا پر گوشت سینے کا حصہ قطع کر ادیتی تھی تاکہ تیر اندازی
یا تیغ زنی کے وقت سیدھے ہاتھ کی جنگی حرکت میں رکاوٹ
نہ پیدا کرے۔ دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ بقائے نسل کے معاملے میں

وہ مردوں سے گریز نہیں کرتی تھیں، ہاں اُن کو اپنی بستی میں
قیام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ وضع حمل کے بعد اگر لڑکی پیدا ہوئی
تھی تو خود پرورش کرتی تھیں، اور اگر اتفاق سے لڑکا پیدا ہو گیا
تو ایام رضاعت کے بعد فوراً باپ کے حوالے کر دیا جاتا تھا تاکہ
پرورش کرے۔ دَورِ قدیم کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ان مرانہ پر
عورتوں نے میدان جنگ میں کئی بادشاہوں کا ساتھ دیا اور اُن
کے مخالفین سے نیرو آزمائی کر کے شکست فاش دی۔

ساداتِ بارہ کا ذکر

جیسے ہمارے ہندوستان میں بارہہ کے سید حسن علی خاں
اور حسین علی خاں تھے، جو تاریخ ہند میں (سید بادریں) کے نام
سے مشہور ہیں۔ یہ بادشاہ گڑھ لائے تھے۔ جس کی طرف لڑتے
اُس کا پتہ بھاری ہو جاتا۔ چنانچہ شاہ عالمگیر کے بعد جب
محمد معظّم (بہادر شاہ) اور اعظم شاہ دونوں بھائیوں میں
دھولپور کے پاس جنگ ہوئی تو میدانِ مذکورِ معظّم کے طرفدار
تھے، جس کو شکست ہی ہونے والی تھی کہ انھوں نے اپنے ہمراہیوں
کے ساتھ داوِ شجاعت دی اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔
لیکن عورت کی شجاعت صرف ایسی مردانہ جنگ پر

منحصر نہیں اُس کی شجاعت کے مظاہروں کے لیے لوہے سے مدد
 لینے کی ضرورت نہیں۔ استقلال کے ساتھ حق پر ضد کر جائے
 تو اُس کی آواز تلوار بن جاتی ہے، اُس کے نیچے تو رہ جائے
 کا کام دینے لگتے ہیں، اُس کا معنی غیر مخالف کو گھوڑے دیکھنا
 دل کو برباد دیتا ہے اور پھر بے بسی کے عالم میں تو اُس کی
 گلابی آنکھوں کا ایک آنسو لاکھوں جیوٹ سپاہیوں کے جواں
 پرگندہ کر دینے کو کافی ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ سکندر جب حاکم (شاہ ایران)
 کے مقابلے میں مقدونیہ سے بلغار کر کے (۳۳۴ سال قبل مسیح)
 مجھ پہنچا، تو مقدونیہ میں اپنے ایک جنرل ایٹھی پیر نامی کو اپنا
 قائم مقام کر کے انتظام سلطنت کیلئے چھوڑ گیا تھا۔ اتفاق سے
 سکندر کی ماں اولپیا سے اور اُس سے نہیں مٹی برادر
 مذکور نے سکندر کے پاس ایک شکایت آمیز خط بھیجا۔ اگرچہ
 وہ شکایت سیاسی نقطہ نظر سے بجا و درست تھی۔ اُس پر بھی
 اس نے جواب دیا: ”اے ایٹھی پیر یا درگھامیری ماں کی
 آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ تیری اسی ہزار شکایات کے دفتروں
 کو ایک دم میں سادہ و سادہ کر دے گا۔“

اطمینان قلب کا دوسرا نام شجاعت ہے۔ دوسرے الفاظ
میں۔ انسان پر جو مصیبت نازل ہو، ہوش و حواس بجا رکھتے
ہوئے اُس کا پورا پورا مقابلہ کرے۔ اگر اُس کے دفعیہ میں کامیاب
ہو تو بے شک شجاع کہلائے جانے کا مستحق ہے، اگر نہ بھی ہوا
تب بھی بے شک وہ شجاع ہے، کیونکہ اُس نے اپنی سی کر لی:
شکت و فتح تو قسمت کے ہاتھ ہے اسے میر

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا
اسلام میں شجاعت کے حقیقی مجسمے دو ہی گزرے ہیں
یا تو محمد ابن عبداللہؐ یا پھر علی بن ابی طالبؑ۔ عرب کی
حقیقی شجاعت کا مہرا انھیں دونوں کے سر پہا۔ ایک تو
خدا کا آخری رسولؐ اور دوسرا راہِ ہدایت کا پہلا امام۔
اگرچہ تاریخ اسلام میں شجاعوں کی کمی نہیں جیسے طلحہ،
ذبیر، خالد وغیرہم۔ لیکن یہاں اُن کا ذکر مقصود نہیں۔
میں اس وقت صنفِ لطیف کی مدح سبائی میں عقائدِ با
سے بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ تاریخی اور تمدنی نقطہ نظر سے
وہ حکمِ قرآنی الرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (مرد عورتوں سے
بڑھ چڑھ کے ہیں) کو دوسرے چشمِ منظر سے دیکھتا ہوں:

لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ أَنَّ فَارِسَ مَلِكُوا بَنَتْ كَسْرَى قَالَ لَنْ يَفْلَحَ قَوْمُ
وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ (بخاری باب الفتن) (جس وقت آنحضرت کو خبر پہنچی
کہ اہل فارس نے دختر کسریٰ کو تاج شاہی پہنا دیا تو فرمایا: وہ قوم بھول بھل نہیں سکتی
جسکی حاکم عورت ہو) لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جہاں تک
سیاسی عظمت و جلالت کا تعلق ہے اس قدر اسے عالم سے لے کر
اس وقت تک منفذ کرنے کے اناٹ کو ابھرنے کا موقع نہیں
دیا۔ اور اگر کسی نے جرأت کی بھی تو اس کے سامنے ایک خونیں
پر وہ ڈال دیا گیا۔ جس کی شکلوں میں وہ خود اُلجھ کے رہ گئی۔ اور
یہ مخالف جذبہ کبھی رشک اور کبھی حسد کی صورت میں اُن پر پڑا
کے لیے باعثِ ہلاکت ثابت ہوتا رہا اور غالباً ہوتا رہے گا۔

(جہاں جہاں عورت نے حکومت کی وہ دوسرے معنوں میں مردوں ہی کی تھی۔)
مرد محبت سے عورتوں کی حکمرانی برداشت کر سکتا ہے لیکن
طاقت و غلبہ سے کبھی نہیں۔ قانونِ فطرت!
شیاعت کے لیے ایثار و قربانی لازمی ہے

شیاع جہاں اپنا سر پہیلی پر لیے ہوتا ہے۔ اُس کے
ساتھ ہی وہ اپنے دوسرے صفاتِ کمالیہ سے بے حس نہیں
رہتا۔ کیونکہ جذبہ شیاعت اپنی برتری کے مقابلے میں ہر دوسری

طاقت کو اپنا ماتحت دیکھنا چاہتا ہے، لہذا اظہارِ شجاعت کے
 وقت شجاع کی نظر میں فرزندِ مٹی کا ڈھیر اور جواہرِ اٹھکڑا ہوتا ہے۔
 مرد میں اگر شجاعت کے ساتھ جذبہٴ ایشاد و قربانی پایا جاتا ہے تو کچھ
 زیادہ قابلِ تعریف بات نہیں، اُن کی توجہ بھی بٹ ہے۔ لیکن
 عورت ذات میں یہ نایاب صفت پائی جائے تو بے شک قابلِ ہزارِ شرح ہے۔
 مشہور بات ہے کہ جب جنابِ ابراہیمؑ حکمِ خواب کے مطابق
 جنابِ اسماعیلؑ اپنے فرزند کو قربانی کے لیے لے چلے تو بی بی ہاجرہ
 سے فرمایا کہ فرزند کو بنا سنوار دو میں اسے ایک دوست کی
 دعوت میں لیے جا رہا ہوں۔ حاصلِ کلام یہ کہ اللہ کے دوست
 حضرت ابراہیمؑ، حکمِ الہی میں نظر میں اور جذبہٴ قربانی دل میں
 لیے ہوئے قربان گاہ پہنچتے ہیں۔ فرزند سے اپنا الہامی خواب
 اور حکمِ خداوندی بیان فرماتے ہیں۔ وہ فرماں بردارِ گردن
 اطاعتِ خم کر دیتا ہے اور یہ بہادر باپ ہاتھ میں خنجر لیے لیتا
 ہے لیکن اسماعیلؑ عرض کرتے ہیں: ”بابا آنکھوں میں پی باندھ لیجیے
 تاکہ محبتِ پدری تکمیلِ مقصد میں حایج نہ ہو“ بابِ منظور
 کر لیتا ہے۔ اس مقام پر قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ جنابِ ابراہیمؑ کو
 خدائے فرزند کو کر دی چاہیے تھی۔ تاکہ حکمِ خدا کی بے لوث بیعت

کا مظاہرہ ہو جاتا۔ مگر مصالحتِ خداوندی جو ہونا تھا سو ہوا۔
لیکن جب اسمعیلؑ صبح و سلاست کھڑا پس آئے تو ہاجرہؑ
نے دیکھا کہ گلے کی نازک کھال پر ایک سُرخی مائل خط پڑا ہوا
ہے۔ ماں کا کلیجہ تھا۔ نہ معلوم کیا خیال گزرا، غش کھا کے
گر پڑیں۔ خیر۔

لیکن جنابِ زمینت کے متعلق راویوں نے لکھا ہے کہ
عون و محمد کے جسم پر خود سلاحِ جنگ آہستہ کرتی جاتی
تھیں اور سنسن سنسن کے اُن کے جذبہ کو اور حُضرتِ طہارہؑ اور
ناحیدہ کرامہ کے جنگی کارناموں کو دوہراتی جاتی تھیں۔
اگر یہی ہے تو اللہ جانے کیسی شجاع خاتون تھیں کہ سنسن والوں
کے رنگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب رہا جذبہ قربانی کا سوال
تو ایک فرزندِ قربان نہیں کیا بلکہ دو دو۔

بقرعید کی قربانی

غالباً علاوہ دوسرے مصالحِ اعتقادی کے مسئلہ قربانی
میں بانیِ اسلام کا یہ طبع نظر بھی تھا کہ راہِ خدا میں جہاد کرنیوالوں کی
نگاہیں خویش مناسطری عادی رہیں اور محاہدانہ جذبے کا
سالانہ اعادہ ہوتا رہے۔ ایسا نہ کہ اگر ایک شیر سامنے ذبح

کر دی جائے تو مسلمان صاحب کو دیکھ کے غش آجائے۔
 غرض یہ ہے کہ سلسلہ بنی ہاشم کی ایک خاتون (زمینت) نے
 اپنے اجداد کی شجاعانہ روایات کو کیسے کیسے صبراً زمانہ موقعوں پر
 قائم رکھا۔ اگر اسلام میں عورتوں سے جہاد ساقط نہ ہوتا تو قصداً
 حیدری سے پہلے ذوالفقار حیدری زمینت کے ہاتھ سے استعمال
 ہو چکی ہوتی۔

اول عصر عاشورا، جب نجدی فوج حسین کرب میں داخل ہوئی
 تو مال و اسباب جو لوٹا تو لوٹا، مگر بعض سخت دل کافروں نے
 حسین کے پیارے فرزند (سید سجاد) کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو
 جناب زمینت ہی کی شجاعانہ للکار نے اُن ظالموں کو اس بُرے
 ارادے سے باز رکھا۔

دوم جس وقت ابن زیاد (حاکم کوفہ) کے سامنے
 اسیران کر بلا پیش کیے گئے تو اُس نے حسین کے فرزند سید
 سجاد سے کچھ ایسے نا ملائم فقرے کہے کہ ان کو تاب صبر نہ رہی
 اور منہ توڑ جواب دیا۔ ابن زیاد اُس وقت نشہ فتح میں
 بدست تھا بھلا کاشے کو سُنے لگا تھا حکم دیدہ قتل کر دو
 سوچے! یہ وقت آلِ رسول پر کیا قیامت خیز ہو گا۔

ایسروں کا قافلہ سالار، نسلِ فاطمہ کا آخری فرزند قتل کیا جانے والا ہے۔ یمنغ جلا و اٹھ چکی ہے۔ سجاد کا سر ٹھم ہے۔ کہ دفعتاً زمینت کے حیدری خون میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ بڑھ کے اپنے ہاتھ گردنِ سجاد میں ڈال دیتی ہیں۔ اور باوا زبند کہتی ہیں: ”جب تک میری جان میں جان ہے یہ فرزند قتل نہیں ہو سکتا“ لاکھ لاکھ گردن سے ہاتھ چھڑائے جانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر بے سود۔ حتیٰ کہ ارادہ قتلِ سجاد ملتومی کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا واقعہ دربارِ یزید میں بھی پیش آیا۔ اور یہاں بھی زمینت ہی کی دیرانہ آواز نے حسینؑ کے لال کو قتل سے بچایا۔

اردو مرثیہ اور جنابِ زمینت

اردو مرثیہ نے جس لباس میں جنابِ زمینت کو پیش کیا ہے اس کے تار و پود اول تو کمزور روایات ہیں۔ دوسرے منہ کی ذات کو ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کی خاتون فرض کر لیا ہے جس میں ہندوستانی عورتوں کی معاشرت کے نقطہ نظر سے تمام اقوال و افعال حرکات و سکنات دکھائے گئے ہیں حتیٰ کہ عزیزانہ تعلقات کے اندازِ رسم و رواج کی پابندیاں، جگے بغیر اردو مرثیہ صرف الفاظ کا ایک ڈھانچہ رہ جاتا ہے اور اسے



آخر تک سب ہندوستانی رنگ بین رنگی ہوئی ہیں بڑے بڑے
مرثیہ گو یوں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ بھی نہ تھا کہ ہندی
ماحول سے انہیں چیزوں کو انتخاب کرتے جو سنسنے والوں کے لیے
قابل قبول ہو سکتی تھیں۔

اس روش انتخاب میں جو شاعر جتنا کامیاب ہوا ہے اُتنا
ہی اعلیٰ درجے کا مرثیہ گو کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ در نہ اگر
کوئی شاعر ہندوستانی سامعین کے سامنے عرب و عجم کی صحیح
معاشرت کے مناظر الفاظ کے ذریعے سے پیش کرے تو لازمی
امر ہے کہ یا تو لوگ بد دلی سے سنیں گے یا پھر مجلس میں مضامین
کی تہ میں بستر خواب کا لطف آنے لگے گا۔

انیس مغفور کی کامیابی کا اگر سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا
کہ وہ لکھنؤ کے نوابانہ خاندانوں صحبتوں میں بیٹھے اُٹھتے تھے۔
فیض آباد اور لکھنؤ میں سیالار جنگ مرحوم کا خاندان سلاست
زبان کے لیے مشہور تھا۔ انیس مرحوم ان کی ستھری صحبتوں میں
شریک ہوئے۔ یا نواب عاشور علی خاں کی محفل جان صاحب
(شاعر لسانیات) جس کی پیداوار ہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے
دہلی میں فتح الملک مرزا مخدوم کا شعرا نواز دربار تھا۔

انیس ان نجی صحبتوں میں شامل رہتے تھے۔ اُن کی صف
 ستھری زبان ذہن نشین کرتے تھے اور اُن کے امیرانہ حرکات
 سکناات پر نظر رکھتے تھے۔ اب یہ اُن کا قدرتی ملکہ تھا کہ مشاہد
 کا صرف اس خوبصورتی سے کر دیتے تھے کہ نظم میں چار چاند
 لگاتے تھے۔ جس طرح کہ قلعہ معالی کے شاہی ماحول نے داغ مرحوم
 کی زبان کو جہنما کی نفیس لہروں سے زیادہ صاف شفاف کر دیا
 تھا۔ اسی طرح انیس کی زبان پر۔ گو وہ دہلی ہی کی کیوں فرنی
 کر لی جائے۔ ان صحبتوں سے جلا ہو گئی تھی۔ درست خیال ہے
 کہ اگر وہ دہلی میں رہ کے مرثیہ کہتے، تو لکھنؤ کی زبان اور
 شیعہ ماحول کا فقدان اُن کو بہر کز اتنا کامیاب مرثیہ گو نہ بنا سکتا۔
 جس کا اُن کو خود اعتراف تھا۔ یعنی حیدر آباد کے منبر پر نکتہ سنجوں
 کی کمی محسوس کرتے ہوئے بکاہ اُٹھتے: ”ہائے لکھنؤ تجھے ہم سے لاؤں۔“
 برخلاف اس کے اگرچہ ہرگز نہ دہلی کی ستھری محفلوں نے
 جناب داغ میں ظاہری نفاست بطیم کی خوبی پیدا کر دی تھی۔
 لیکن اُسی کے ساتھ اُن کے اثرات کا دوسرا رخ تہذیب شعری کے
 حق میں زہر قاتل بن گیا۔ قلعہ معالی میں شرب بھر شاہی شوقین مزاج
 رنگیلی نوا زباں آخر کو رنگ لائیں اور جناب داغ کھلے غنیمت

یہ ہوا کہ ذوقی و غالب و مومن ایسے پختہ کار بڑھے زندہ تھے جنہوں نے اپنے سنجیدہ اثرات شعر سے کام لیا اور خواص کے رنگ سخن کو بگڑنے نہیں دیا۔

میری یہ غرض نہیں کہ انیس کو اسی صحتوں سے سابقہ نہیں پڑا۔ شاہزادے اور نواب زادے ہر حدِ عیش و عشرت کے متوالے ہوتے ہیں، لیکن اُس شاعر کی قوتِ آخذہ اس قدر صحیح تھی کہ ہر چیز کا جو ہر لے لیا اور سفل چھوڑ دیا۔ دوسرے اگر انیس غزل گو ہوتے تو احتمال تھا کہ ویسے ہی ہو جاتے جیسے داغ۔ مگر جو صنفِ سخن (مرثیہ) انہوں نے اختیار کی تھی اُس میں ایسے رنگین اور شوخ مضامین جو عاسیا جھلک دینے ہیں کھپ نہیں سکتے تھے۔ لہذا مجبوراً معمولاتِ تمدن کا روشن پہلو اختیار کرنا پڑا۔ اب اسے چاہیے آپ اختیارِ صنفِ شعر میں انیس کا اندازہ صحیح کہیے، چاہے مرثیہ کا اعجاز۔

بہر حال یہ تالیف جن جنابِ زمینت کی ذات کو پیش کردی ہے، اُس کے خط و خال ہاشمی و مطلبی ہیں۔ اُس کے حرکات و سکنات، جذبات و معمولات وہی ہیں جو عرب کے اس ممتاز

تیلے کی خواتین میں پائے جاسکتے ہیں۔
اس آخری نقطہ نظر سے تو میں آگے بحث کروں گا۔ اس وقت
ناظرین کی دلچسپی کیلئے اردو مرثیہ کے چوکھٹے میں جناب زمینت
کا مرقع پیش کرتا ہوں۔

اردو مرثیہ اور جناب زمینت کا کردار بلند

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس حلیل القدر خاتونِ اہمیت
کی ذہانت و ذکاوت، معاملہ فہمی، و موقع شناسی سے خاندان
کے تمام افراد متاثر تھے۔ اور ان سے اکثر مشورہ طلب ہوتے تھے۔
چنانچہ قافلہ حسینی جب کربلا میں داخل ہوا تو جناب عباس نے
بڑھ کے امام حسین سے خیمہ نصب کرنے کے مقام کے متعلق استفسار
کیا۔ آنجناب نے بھائی سے کہا ہے زمینت جہاں کہیں ہیں
خیمہ بپا کرو۔ حالانکہ جنگی نقطہ نظر سے حسین کو حق تھا کہ وہ
خود بخوبی یہ مقام کرتے۔

امام حسین کے گھر میں اس بی بی کی عجیب سی تھکن اور شیر خدا
کی بیٹی رزم و بزم دونوں کی رونق۔ حسین اور دوسری اولاد
علی کے رٹکے لڑکیوں کی شادی بیاہ چھٹی چلے تو انھیں مستورے
سے ہوتے ہی رہتے تھے۔ لیکن کربلا کے خونیں معرکے میں بھی اس خاتون کا

حیرت انگیز حصہ لیا ہے جب کسی کی جان پر آجاتی ہے تو پھر نہ کسی کی محبت دل میں باقی رہتی ہے نہ کسی بزرگ کی بزرگی بلکہ جناب زمینت حیات و مائتہ رسول کا ایک مستقل مرکز معلوم ہوتی ہیں۔ حسین موجود تھے اعزاء کو سر فروشی کے لیے ان کی اجازت کافی تھی۔ مگر جو بھی ان جناب کے پاس گیا انھوں نے اطمینان کے ساتھ پہلے جناب زمینت کی مرضی کی طرف اشارہ کر دیا۔ جب ان کی "ہاں" ہو گئی تو ان جناب نے بھی فرما دیا۔ "بسم اللہ"

سند بھارج کے تعلقات

روزِ عاشورا جب حسین کے فرزند علی اکبر نے اجازت جنگ طلبی تو انھوں نے حسب معمول فرما دیا کہ پہلے اپنی محترمہ چھوٹی سے اجازت لے لو جنھوں نے تم کو فرزند کی طرح پالا ہے۔ یہ تجھے میں آئے ہیں اور ماں، چھوٹی بہنوں اور دوسری محترمت کو ایک جگہ بیٹھے دیکھتے ہیں اور سیدھے آ کے جناب زمینت کے سامنے گھٹنے ٹیک کے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زمینت تو سمجھ گئی ہیں لیکن انجان سنا پوچھا: بیٹا علی اکبر کیا ہے؟ انھوں نے عرض کی: "اجازت جنگ مرحمت ہو۔"

یہ موقع جناب زمینت کے لیے نہایت نازک تھا۔ ماں کے ہوتے

کوئی بیٹا بچھو پی سے مرنے کی رضا چاہے تو اُس دکھیاری کے
 سینے پر سانپ نہ نوٹ جائیگا؛ ذرا غور کیجئے۔ ایک ماں جس نے
 اپنے سینے سے سفید خون چسایا کے سینے کو پروان چڑھایا ہو
 اُس کی زندگی و موت کا اختیار اُس کے ہاتھ سے نکل کے
 دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے۔ عورت کا دل پتھر کا نہیں
 ہو کر تار آبلینہ ہوتا ہے۔ جناب بانو کلیجہ تھام کے رہائی ہوگی
 مگر اُن کے مقابلے میں جناب زمینت کوئی معمولی عورت نہیں تھیں
 جن کو اس نازک معاملے میں بھاج کے لطیف احساسات کا خیال نہوتا۔
 کس خوبصورتی سے دفع و غل کیا ہے، اور کس لطافت سے مرثیے
 نے تصویر چھینچی ہے۔

اس سنجیدہ بی بی نے بانو کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”بیٹا
 علی اکبر! اس اجازت جنگ کے معاملے میں تمھاری ماں کا زیادہ
 حق ہے۔ جس نے تمھیں پال پوس کے اتنا بڑا کیا ہے۔ خود گیلے میں
 سوئی اور تمھیں سوکھے میں سلا یا۔ تمھارے آرام کی خاطر راتوں
 کی نیند حرام کر لی۔ میں دیکھنے والی موجود ہوں۔“

برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے
 زمینت کے اس طرزِ عمل سے جناب بانو کے جسم میں چلوؤں

خون پڑھ گیا ہوگا۔ چہرے پر زحاک سرخی پیدا ہو گئی ہوگی، اور
 آنکھوں میں محبتِ فردیہ کی روشنی اور تیز ہو گئی ہوگی۔
 اور عالمِ مہویت میں علی اکبر کا رخ اب اس کی طرف ہو گیا۔
 ایک لمحے کے لیے پھرے پر نظر کی اور پھر کچھ سوچ کے نگاہیں بھی
 کر لیں۔ انسانی فطرت ہے کہ اگر اس کے حقوق کا صحیح شعور
 کر لیا جائے تو وہ اس سے دست بردار ہو جانے میں اپنے آپ کو
 زیادہ مستعد سمجھتا ہے اور انکسار ادا سے اظہارِ استغنا کرنے لگتا ہے ایسا
 بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے کہا صدقے گئی کینز کی خدمت کا ذکر کیا
 اس قافلے میں آپ ہیں افسانہ کی جا میں نے بھی دی جو آپ نے مجھے دی تھا
 صدقے ہے یہ بھی عورت پر وہ آپ پر بر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر
 ماں اور بھوپنی دونوں کی رضا حاصل ہو جاتی ہے تو علی اکبر باپ
 کے پاس آئے خوش خبری سناتے ہیں۔

زمانے کا وہ لمحہ حسین کے صبر کا شاہد ہے گا کہ نہ تو ابرو پر
 پڑی نہ روشِ کلام میں فرق آیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہ بھی
 ملحوظ رہے کہ چند منٹ پہلے برابر کے بھائی عباس کی لاش
 کے ٹکڑے کا پتہ ہاتھوں سے اٹھائے لائے تھے (علی اکبر کو
 ساتھ لے کے خیمے میں آئے مقصد یہ تھا کہ اپنے صابرانہ طرزِ عمل سے

اہل حرم کا غم غلط کریں۔ چنانچہ بقول انیس

بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا: کیوں سچ دہمتے بیٹے کو مرثی دی رضا
دہ چپٹ میں تو بولے بہن سے شہ بہا اپنی کہیے پھوپھی بھتیجیوں میں کیا فیصلہ ہوا
راہیں سب کے روکنے کی بند ہو گئیں: سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں
اس روش سے عزیزانہ تعلقات کا اظہار اور بے تکلف گفتگو تو بے فکری

کے لمحوں میں ہوا کرتی ہے۔ کربلا کا خونی معرکہ چاروں طرف تیغوں کی جھنکار
گمانوں کی کرک زین گرم پر لہو کے تھالے، اور پھر نی ہاشم کے شیردہ کی
لاشیں نظر کے سامنے بھاؤ اسد! حسین ہوں یا علی اکبر خون حیدری لگوں
میں جوش زن ہوگا۔ آنکھیں خون آلود۔ ہاتھ شمشیر زنی کے لئے
متحرک اور گلاٹ جانے کے لئے تیار ہوگا۔ اس پر طرہ یہ کہ وقت
عصر سوائے مرثیے کے اور کسی کے قلم کو تو جرات ہو نہیں سکتی تھی
کہ ماحول بدل دے۔ لیکن کمال نظم یہی ہے کہ سنتے وقت ان
مضامین سے سماع کا خیال کسی دوسری طرف منتقل نہیں ہوتا
اور لامحالہ متاثر ہو جاتا ہے۔

میں سننے اور عرض کیا ہے کہ عورتوں کی تحریک و تھلنے سے
مردوں کے جنگی دلوں پر بہت تاثیر ہو جاتی ہے۔ اس منظر کو مرثیے
نے یوں پیش کیا ہے۔ دیکھئے وہم محرم کو اپنے فرزند علی اکبر کو مہر و

اہتمام جنگ دیکھ کے۔

جو پوچھتی تھیں کہی بانوے نام نہاں
تو عرض کرتے تھے یہ دست بستہ آئے ہاں
عوض میں شاہ کے شمشیر و تیر کھائیں گے
ماں کا محرک شجاعت جواب :-

وہ کہتی تھی کہ مرے وضو دار کیا کہنا
امید دل کی بر آنا ہے خون کا بہنا
جو تم زبانی ہو عزت وہ کس فیاضی ہے
یہ بات تو جو کتنی میں ہوتی آئی ہے

(ارشید)
اردو مرتبے میں جناب زنیب کی ذات سے کسی دلچسپ باب کا
اقنافہ نہیں ہوا جس سے قوت تخیل میں ہیجان پیدا ہو جائے اور
پڑھنے والے صہوت ہو جائیں۔ البتہ ان کے فرزند عون و محمد نے
استحقاق علم برداری کے معائے میں جس جذبے سے کام لیا ہے اور
جناب زنیب نے جس موقع شناسی سے ان معصوموں کے صحیح
جذبات کو مادہ شفقت سے دیا ہے۔ وہ منتظر دلوں کو سینے
میں تڑپا دیتا ہے اور ان کی انسانی عظمت کو وہ چند کلمہ دکھاتا ہے۔
وہ دیکھ کر کہیں نہ کہیں وہ جبر طیار کے پوتے تھے جن کی

علمبرواری پر آج علم اسلام تازہ کرتا ہے، جب دونوں نے یہ سنا
کہ امام حسینؑ نے عہدہ علمبرواری جناب عباسؑ کو مرحمت فرمایا
ہے، جو ان کا آبائی حق تھا۔ بچے تو بچے، چاند سے ماٹنے پر
شکستیں پڑ گئیں، حورِ بشار چہرے مرجھا گئے، اور بیچ و تاب کھانے کے
رہ گئے۔ ماں اور ماموں کا ادب مانع تھا، ورنہ جعفر طیار کے ہنک
اسد اللہ کے شیروں سے اُلجھ پڑتے، سب سے الگ بیٹھے آس
میں سرگوشیاں کر رہے تھے اس وقت جناب عباسؑ خیمے میں
تشریف لاتے ہیں اہل حرم عہدہ جدیدہ کی مبارکباد پیش کرتے ہیں
سب کے بعد:

زمینِ بد میں لیکے کہتی تھی بار بار
منصبِ مبارک اے شہِ مردا کی یاد کا
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسؑ ذی وقار
مجھ کو سمجھے عون و محمد کا جانِ نثار
اُن کی طرف سے ہتھم بندوبست ہو
مالک یہ شانِ اہلے ہیں میں پیش دست ہو
(مرثیہ: "جانی کجے شکوہ سے زن میں خدا کی فوج)

انیس مروجہ مہرے میں جذبات کی ایک دنیا پیش
کر دی ہے اور حق یہ ہے کہ مرثیہ اس فطرت نگار پر جتنا ناز کرے
بجا ہے۔ اس مصرعے میں غور کرنے والے کے لیے سمجھی کچھ ہے۔
اولادِ جعفر کی موجودگی میں عدم استحقاق علمبرواری کا اعتراف۔

اس حلیل القدر عہدے کی ذمہ داری کا اظہار، عون و محمد کی کمسنی
کی طرف اشارہ، اور سب سے بڑھ کے بن کے عورت ذات
ہونے کا احساس کہیں ایسا نہ ہو دل پر قسمل آجائے۔ کہ میرے
بچوں کا حق سو تیلے بھائی نے چھین لیا۔ کیا اسی ذلت کے یہ
عبد اللہ نے اپنے فرزندوں کو حسین کے ساتھ کیا تھا۔ ہاں اس

لکھنؤ تھتے کہاں سے لےئے ؟

اب شاعرانہ فکر، لطیف تر منزل پر پہنچی ہے۔ کہتا ہے

عباس کو امتیازِ علمبرداری ملنے پر ۵

سب غش تھے خیمہ شبِ ذیجاہ میں مگر جہیں جہیں تھے زمینِ ناشاد کے سپر
نے جانبِ علم تھی ماں کی طرف نظر آنکھوں میں بڑبڑاتے تھے آنسو جھکتے سر
اس طرح تھا عرقِ رخ پر آبِ باب پر جیسے پتے ہوں قطرہٴ شامِ کلاب پر
اس سے زیادہ اُن نعروں کی جذباتی تصویر کون پیش
کر سکتا ہے۔ جو پختہ تمدنِ عرب کے ماحول میں پلے بڑھے ہوں نہ
کسی سے اپنے حقوق کی پامالی کا شکوہ کر سکتے ہوں نہ کدِ حبش
اظہار کر سکتے تھے وہ یہ تھا کہ نہ کسی آنکھوں میں کچھ نمی۔ آتشیں
زحسا پر اندرونی تعب کے ظاہر کرنے والے چند پسینے کے قطرے
ہائے ! اور تیرا مصرعہ ۵ نے جانبِ علم تھی نہ ماں کی طرف نظر۔

نہ معلوم کیا کہ وہ ہے۔ علم کی طرف نظر نہ کرنا یہ بتاتا ہے۔ ہمیں علم نہ ملا
تو کیا ہوا۔ ہماری کوئی شان گھٹ گئی۔ زمانہ جانتا ہے کہ خون و محمد
علیہ و آلہ و سول جعفر طیار کے پوتے ہیں۔ اور ماں کی طرف نہ دیکھنا
شکایتِ فرزندانہ کا ایک قیامت خیز ہنگامہ پیش کر رہا ہے۔ ننھے دل
کہ یہ ہم ہونگے۔ امی تم نے اپنے میکے والوں کی بیچ کی اور سرائی کے
خاندانی اعزاز کی طرف توجہ نہ کی۔ ہم تمھارے دو وہ سے پرورش میں
ہوئے تھے کہ اپنے آبائی حقوق کو نکھال والوں سے پامال کرادیں۔
ابھی امی! تم سے ہمیں یہ امید نہ تھی۔ ہم تو تمھاری آنکھوں کے تارے تھے۔
تم کو تمھارا مستقبل روشن کرنا تھا نہ کہ اس بادی پر خاموش رہ کے
اور تاریک بنا دینا۔

ادھر بچوں کے خیالات میں محشر جذبات بپا تھا۔ ادھر زینب
امام حسین اور دوسرے اخو اسے اسی سلسلے میں مصروف گفتگو تھیں۔ یا تو
عدا مال رہی تھیں۔ یا پھر یہ مقصد ہو گا کہ اس عمدہ علمبردار کی
سلسلے میں عیال و محمد کے احساسات کی رانج مقصود تھی۔ ہر حال میں
یہ سب کچھ غیریجولی خاموشی پائی تو فطرتاً
ہمیں علم نہ ملنے سے بیدل میں ہمارے
آئے عقب سے شے کے سعادت نشان پر

بولیں کہ اپنے ہوش نہ مجھ میں جو اس میں قربان جاؤں کیا ہے جو پھر اوہ اس میں
اس بند میں ہزاروں قسم کی ذمہ داریاں رکھنے والی ماں کا سب سے الگ
اپنے فرزندوں کو اٹھائے سے بلانا تاکہ افشائے راز نہ ہو جائے اور
بچے بے ادب نہ لگائیں۔ پھر طاعت گزار بھائی عباس کا خیال سب سے
زیادہ حسین کی بزرگداشت پر نظر بچوں کا سامنے سے نہ آنا بلکہ پشت کمر
سے۔ یا تو ادب کا یا اس خوف سے کہ قیافے سے ماموں تار نہ جائیں۔

کیسے کیسے نازک موقعوں پر انیس قلم اٹھایا ہے اور عہدہ برآ ہوا ہے۔
سب کے بعد بیت پڑھیے اور دیکھیے کہ ماں نے اپنی پریشانی کا اظہار کر کے بچی
موجودہ اور آئندہ جذبات انگیزی کا سد باب کر دیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ نیک اولاد
خصوصاً ماں کو پریشان دیکھ کے اپنی تمام ذہنی کشمکشوں کو بلا طاق رکھ دیتی
ہے اور اپنے درد و دکھ بھول جاتی ہے۔

جنابے نبیؐ بچوں سے اُس مضمون پر گفتگو ہی نہیں کرتیں جبکہ وہ ہم سمجھے ہوئے
ہیں۔ اور انجان بچے سوال کرتے ہوئے فرزندوں کا خیال معاً ایک سرگرم
یعنی تہیہ قتال کی طرف پھیر دیتی ہیں اور اسی اس وقت ہم نکلے ہوئے ہیں۔
بچوں کو بغیر کہے یہ سمجھانا تھا کہ علم و حلم کا سوال تو بعد کا ہے پہلے
ماموں کی حمایت ہے اُس کے لیے تم کیا کر سکتے ہو۔

ہتیا سچ چلے ہیں شمشاد حق شناس تم نے نہ سیر ہو سکتے تھے۔

مردوں کو بنا دینے میں ہمتا نہیں ہراس
 دو ٹکائی بن جاؤ امام کے پاس
 کچھ ملگے ہیں آؤ میں کیرے تاروں
 سر نہ لگا دوں کیسے شکستہ سواروں
 امام حسین کو حق شناسی کی صفت سے مونسوف کر کے چونکو عدالت
 امام باود لاوی کہ عباس کو تم پر ترجیح دیکے علم کسی حق ہی سے دیا ہوگا
 جو شجاع و عاقل ہیں انھیں نہایت و فخر کے لیے اسبابِ ظاہری کی ضرورت
 نہیں لہذا خود بکتر، ذرہ و چار آئینہ کو لباسِ فاخرہ سے تعمیر کیا ہے
 مردوں کو جان دینے میں ہمتا نہیں ہراس۔ کہہ کے شاعر نے جنابِ نبی
 کی عمری نہایت کو جگا دیا ہے۔

باقی تین مصرعے ہندیت خیال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔
 دیکھیے ماں بیٹوں کے جذبات کی کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے اور شاعر کا
 بھی اسی تسلسل کے ساتھ کھینچا جا رہا ہے اور کمال کر رہا ہے۔
 جنابِ نبیؐ فرزندوں سے کہتی ہیں۔ میں تم سمجھتی تھی اللہ کے تم خود
 سمجھا رہے۔ اب کہا ہوا یہ کونسے غصے کا ہے کل۔

اس کا اندیشہ خالی کہ کیونکر جیسے گی ماں
 ہوتا ہے آنکھوں میں محبت کا امنی
 تم میری دس برس کی ٹائی ہو میری بیا
 مجھے سوا ہے کون تمھارا مزا بیا
 جس پوپہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں
 غصے کی آنکھ کھلے کو بچانی ہوں میں
 فقط اس لیے کہ بچوں کی بھراس کل جائے۔ ان سے کہتی ہیں کہ مجھ سے

انگ پل کے کہدو کا ہے کی خفگی ہے ؟

یہ سن کے زینب کے نو نماں اول پرتے ہیں اور نہرین سے دھونی
ہوئی زبان میں ناں سے ناموں کی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ اہو اور
کی پرورش منظور ہے اور ہمارا خیال نہیں چاہے دیتے نہیں لیکن ہم کو
عہدہ نگہداری کے سلسلے میں پوچھتے تو سہی !

کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے اس عہدہ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے
ذیل کے دو تین بند مرثیے کے عرش کمال پر پہنچ جانے کا ثبوت
دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ انیس جذبات نگار تھی اور موقع شناسی کے
چیتے جاگتے مرقعہ کھینچ کے رکھ دیتا ہے اور اس معاملے میں دوسرا کا کوئی
شاعر اس کا دہن تک نہیں چھو سکتا۔ (یہ تشریح کر کے مضمون کو طویل
نہیں کرتا خود غور فرمائیے۔ جناب زینب اپنے خون کے تیلوں کے

جذبہ شکایت کو یوں فرو کرنی ہیں۔

انگشت لکھ کے دانتوں میں ناں لٹکا کر۔ اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہوتا تھا

دیکھو سنیں زوجہ عباس با وفا اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا

غبطہ نہ اس میں چاہیے جو امر خیر ہو داری وہ کون غیر ہے تم کو ان غیر

پھر ہمتی ہیں سے اک دو ہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال یہ قصہ

چھوڑو اور حسین پر جان نثاری کے لیے آمادہ رہو۔ خیر تک خاتمہ ہے۔

اللہ اللہ خیر سلا

نوازدہ دھ کی تہیں تھی ہوں میں قسم
اب کچھ کو گئے منہ سے تو ہو گا مجھے بھی غم
ستے تھے تم اجاڑتے تھے عباس کی خشم
عداں کو جا کے تنہا تے عمرہ علم
صد گئی خلاف ادب کچھ سخن ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جسین شکن نہ ہو

تسلل نظم ایسا ہے کہ دو بندوں کے درمیان ایک لفظ کی گنجائش
نہیں۔ ہر طور کے سنجیدہ جواب دیتے ہیں اور ماں سے معصومہ مقرر
کے جوابان ہوتے ہیں۔

نہتے سی ماٹھ جوڑ کے بولے وہ تو نہا
ہم باد فاعلام ہیں کیا تاب کیا بحال

دیکھتے ہیں سزا جو مل ابرو پہ پھر مٹین
کیسے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

ماں اس سعادتمندانہ روش کی داد دیتے ہوئے فرماتی ہیں:
زینب بیگمیں لیکے یہ پولیس کہیں شار
دونوں ہوتے سعید رشید و فاشعار
وے ایسے بیٹے سب کو زمانے میں کر دکا
ذکی قدر ذی شعور و سخن سنج ذوی وقار
لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سیر ہو
چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خرد ہو
اتنا طویل قصہ مرثیے کی جناب زینب نے کس حسن خوبی اور اختصار کے ساتھ
طے کر دیا کہ سبحان اللہ اس کے بعد بھائی کے سامنے اپنے دونوں فرزندوں کو
قربانی کے لیے ان الفاظ میں پیش کرتی ہیں۔

باب ان کا آج پرانا ہوا شاہ نامہ
 ایک آن کے بدلے ایک قدر بھیر چکا
 کرنا قدم چہ سر کو نہ صدف : آنکار
 میرے لیے خدا کرے تارک اپنی جان
 ان پر ہمارا حق ہے نہ بھیر حق آپکا
 یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باب کا
 اس بعد و دونوں فرزندوں سے میدان میں تنوا ایل رہی ہے
 اور ہاں و خمیہ سے دیکھ رہی ہے لیکن بجائے طویل حزن و ملال
 کے ایک عجیب جذبہ کا رہا ہے جس کو انیس کا آئینہ یوں دکھاتا ہے :
 حال یہ دیکھ کے زمین کا ہوا اٹیا
 رنگ فتن ہو گیا دلیر ہوا صدمہ جانکا
 بچہ و عاقل سے یہ کہنے لگیں ماں و آہ
 رکھو عزت میرے فرزند نبی بابراہ
 صدقے مامونہ یہ دور و زبیا ہو جائیں
 فوج میں قید نہ حید کے نواسے ہو جائیں
 اس بند کا آخری مصرعہ فوج میں قید نہ حید کے نواسے ہو جائیں اعلیٰ
 ترین عزت خاندانی کا نقشہ پیش کرتا ہے فرزندوں کے قتل کی کچھ پرواہ نہیں
 بنی ہاشم کی گذشتہ روایات شجاعت کے برقرار رکھنے کا خیال پیش
 ہے اس کے بعد فرزندوں کی جنگ دیکھنا بھی نہیں چاہتیں نظر بچہ کے
 خیمے میں واپس جاتی ہیں یہاں تک کہ علی اکبر چھوٹی کی خدمت میں آتے ہیں اور
 یہ کہہ کے عوں و محمد کے قتل کی جگر خراش خبر سناتے ہیں :
 گر بے برج شرافت کے سنا دونوں
 اے بھوئی قتل ہوئے آپ کے پاس دونوں
 قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ دکھیا رہی ماں سر و سینه پیٹے لگتی کلیجہ منہ کو آجاتا

(مرثیہ : غل ۱۱۰ عدایین کہ زندہ کی پیرائے ہیں)

ہوش و حواس تباہ رہتے۔ مگر اس مقام پر دیکھنا ہے کہ جناب زمینیت کے صبر و
 اطمینان قلب میں انسانیت کے اس بڑے کترین حادثے کو کس قدر قیام پایا۔
 محترم شہرہ شائے ایک لمحہ اپنی نظر کو سکون دینے کے بعد قراذیل کا بند بڑھیں
 اور خود اندازہ فرمائیں کہ سوائے زمینیت (خدا پر شہید کر لیا) کے کسی دوسری
 خاتون کو اس موقع پر ایسے خالص شکر خدا کیلئے نصیب ہو سکتے تھے۔

یہ خبر سننے ہی تھکنے لگی زمینیت نے ار
 جھک کے جدے میں کہا میں میری شہادت
 صدمہ اپرا کی کہ بی بہ کما می میری
 ایسے جذبات و شرح غم سا پر قابو پا لینا ہر ایک کا کام نہیں ہمیں بیرون
 روحانی کی تشویش جو جاتی ہے۔ جناب زمینیت اپنے مد پاروں کے
 قتل پر تو ابھی غم و غم نہیں سکین دنیا کے حساسوں کو زلزلہ لائیں اور اس کو
 غانی کے آخری دور تک رُلانی ہیں گی۔

جناب زمینیت کی عظمت عرفانی کا نشان ایسے ہی حادثات کے موقع پر ملتا ہے۔
 اور زلزلہ قدرت کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہیں یہی ہوتا جلا آتا ہے۔

ہر کہ درین بزم مقرب ترست جامع بلا بیشترش میدہند
 ہندی نقطہ نظری سے ہی لیکن جناب زمینیت کے کردار حجت کا جہاں نہیں ذکر ہوگا
 اُس پر طبع کرنے کی ضرورت نہیں وہ ان محترمہ کا اعلیٰ اکرار اسے مکمل کرنے کا ذرا ہو جائے۔

مذکورہ بار چہرہ بندوں میں تعلقات غریزانہ پر نظم معاشقہ کی نزاکت
 قدرت اور مداح محبت کے ماتحت اس کا تصفیہ پیرا آخر میں اپنے خاص مضمون
 یعنی قربانی راہ خدا کے ذکر پر اختتام ایسا مکمل نظمیں مرقع ہے جس کو
 کر بلا کو اپنے ماحول میں بیچ کے زمین ہند کو ارض کر لیا بنا دیا ہے۔
 سچ کہتا ہے تمدن عام شعر کی مختلف نوعیت کا ذمہ دار ہوا کرتا ہے جس کو
 شاعر کے ذاتی رجحان کوئی علاقہ نہیں جیسا مشہور ہے شعر اپنے زمانے کا ترجمان ہوتا ہے۔

ہندی رسوا

نوابین اودھ شیعہ مذہب لکھتے تھے۔ رعایا بھی کم و بیش اسی رنگ میں
 رنگی ہوئی تھی۔ ہر شعبہ حیات میں ایجاد و اختراع تو لکھنؤ والوں کا خاتمہ ہے
 چنانچہ اکثر رسوا مذہب امامیہ و ویر سلطنت کی پیداوار معلوم ہوتی ہیں بہت سی
 زوال دولت کی نذر ہوئیں چند اس وقت بھی پائی جاتی ہیں لیکن بہت دھندلے
 رنگ میں۔ جیسے فریادی مام ٹھیک دوپہر کے وقت۔

عجب یہ ہے کہ اس روشن خیالی کے زمانے میں بھی لکھنؤ میں بعض ایسی
 رسموں کا وجود باقی ہے جنہیں زوال سلطنت کے بعد مٹ جانا چاہیے تھا۔
 مثلاً حسینیہ غفران مابکے پاس ایک جدید امام باڑے میں اعتقاد دی باؤ
 سے جنت کی کھڑکی بھوٹ نکلی۔ وغیرہا
 ہمارے قارئین ملت بیٹا دیکھا کرتے ہیں اور عدم بخیری کی دھنیں بے چارے میں۔

شمس العلما مولانا امجد حسین صاحب مسعود کی روح پاک غرقِ دلیلیں جنت
 ہے انکھوں سے جتنی سوچ دو تیرے عملات کر کے بھی نہ کیلئے تھی جنتِ جبرائیل
 احسان کیا ہے مثلاً محمد حیاتِ جاوید کی محالستہ باروں میں بھی عنایت
 پر غلامِ سرور و غلامِ غفور سے علمی معرکے ان کی فائزاً زندگی کا وکارت ہے۔
 لیکن عقدِ قائم کی وہ دایاں کمزور ثابت کر کے جنابِ مغفور نے اس سلسلے کی
 بسببوں بکوں سے شہیدہ مروڑوں اور غور توں کو نجات دلا دی جواب
 یہ نوعِ شاد و نادر تھی سنائی دیتا ہے:

اُس کو مجرا جو کہتی تھی ماور۔ ہندی آتی ہے قائم بنے کی
 کاش علامہ مغفور حیدر کتابیں اردو میں تصنیف کر جاتے جو لوگ اہم کے لیے
 چراغِ ہدایت کا کام دیتیں عبقیات کون پڑھتا ہے؟
 علامہ شبلی اور علامہ ناصر حسین

حضرت شمس العلما مولانا شبلی مرحوم جنہوں نے اپنی تالیفات اردو سے
 بڑے بڑے مذہبی اور ادبی کام کیے ہیں۔ ایک مرتبہ کچھ حضرت شمس العلما مولانا
 سید ناصر حسین صاحب قبلہ سے ملنے تشریف لائے آپس میں بے تکلفی تھی۔ مولانا شبلی
 نے اپنے رانویر ہاتھ مالکے فرمایا: ارے مولوی ناصر حسین! علم کا یہ گنج
 شاہجہاں تم اپنے سینے میں رکھ کے ساتھ لہجہ آؤ گے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ
 کتنا تھا۔ خدا کے لیے اردو میں تصنیفات و تالیفات کرو کہ مخلوق خدا کو

نفس پروری اور اس دونوں تربیت کے خیال کو چھوڑ دو۔ زمانہ آ رہا ہے کہ
عوام آرو کے سوا اور کچھ نہ پڑھ سکیں گے۔

اس وقت مولانا سید علی نقی صاحب تدار و تالیفات کر رہے ہیں
امید ہے کہ مولانا سید محمد سعید صاحب بھی اس طرف توجہ فرمائیں گے۔
حقیقت یہ ہے کہ علم بھی کیا کریں مسلمانوں میں مذہبی اور عائشہ
تعلیم کا فقدان ہو گیا اسلاف کی روایات سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔
مغربی رنگ ہے کہ مردوں اور عورتوں پر چھایا چلا جا رہا ہے اب ناصق
دیکھتے ہیں اور دم بخود رہ جاتے ہیں کس سے کہیں کیا کریں۔ عالم یہ ہے
کہ بیکن اور اسپنسر جو کہیں وہ درست لیکن غزالی و رازمی طوسی و بہائی
کے اقوال پر سکوت۔

اللہ بھلا کرے حسینی مشن لکھنؤ کا جو ضرورت وقت کے مطابق
تالیفات اردو کی اشاعت کر رہا خدا کرے اس کے صحیح اثرات بخمدہ
طبقے سے آگے بڑھ کے مجہول العقل میاں شہرانی اور خیرانی تک پہنچ جائیں۔
جہاں سے مضحکات پیدا ہونے ہیں۔

عبادت و ریاضت | ارباب معرفت کے نزدیک عبادت ہی ہے جو
جناب زینب | معبود شناس ہو۔ چنانچہ انبیاء و اولیاء کے درجہ
ارتقائی کے لیے ہی ایک حسنی ہے ایسی ہی عبادت کو درجہ نبوت پر

مقدم رکھا گیا ہے اور جناب عیسیٰ کے اس قول کو استدلال میں پیش کیا جاتا ہے
 اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اَتَانِیْ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ بَیِّنًاہ (میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے معبود نے
 بخیل مخلص عنایت فرمائی ہے۔ اور نبی قرار دیا ہے) دوسرے اہل تحقیق نے عبودیت
 کی اس طرح جامع و مانع تعریف کی ہے العبودیۃ جُوهَرٌ کَھْطُہَا السَّرَافُ
 (عبودیت وہ جوہر ہے جو ربوبیت کے پردہ راز میں پہنا ہے) لیکن بابر مدنیہ ^{علیہ السلام}
 کی نظر عبودیت عین الیقین کے اس آخری نقطے تک پہنچ چکی تھی جہاں مسئلہ حجاب
 بے حجاب ہو گیا تھا:

پہنچی نگاہ شوق ہمیں توڑتی ہوئی جتنے رے حجاب تھے بیکار ہو گئے۔
 بہر حال جناب زینب بھی اسی سلسلہ عبودیت کی ایک کڑی تھیں جس پرین ^{علیہا السلام}
 کو ناز ہے چنانچہ تحقیق ثقۃ الاسلام علامہ محمد باقر (صاحب کبریٰ تاج) ^{علیہ السلام}
 امام زین العابدین ارشاد فرمایا کرتے تھے: ”کربلا سے شام تک سفر اہل بیت
 ایک نمونہ قیامت تھا لیکن میری عبادت گزرا بھوپنی جناب زینب کی نماز شب
 کبھی قضا نہیں ہوتی“ اس خبر کی تصدیق شہید کربلا کے اس وفادار فخری
 سے بھی ہوتی ہے جس کے بعد زینب کے کانوں نے پھر وہ آواز نہ سنی۔

بَاخْتَاہ لَا تَنْسِیْنِیْ فِیْ نَافِلَةِ اللَّیْلِ (ہن مجھے نماز شب میں نہ بھولنا)
 گریہ زینب | حضرت ختمی مرتبت کا ارشاد ہے لَوْ عَلِمْنَا مَا عَلِمَ لَفَضَّحْنَا
 قَلْبًا وَلَکِنَّا کُنَّا کَثِیْرًا (کتاب رقائق بخاری) مسلمانو! اگر تمہیں میری

علم و اجمالی ہوتا تو تم ہستے کم اور روایت بہت کہتے خیر یہ تو خوفِ خدا سے روایت ہے۔
لیکن فطرتِ انسانی ہے کہ مظلومیت خراجِ اشک ہے یہ بظہرِ بصری ہستی اور
مستی حزنِ طلال ہی شخص ہو سکتا ہے جو ظلم کی طاقت سے کچھ کے مظاہر
عبر کر رکھائے سینہ کے حقوقِ مظلومیت کا پہلو میدانِ کر بلا میں بہت روایا
نظر آتا ہے یہاں اس عنوان سے حوالہ مقصود نہیں صرف عرض کرنا ہے

کہ خواہرامِ مظلوم نے شیدائے بدوشت کیے لیکن بھائی کے قتل سے عنانِ صبر
ہاتھ سے چھین لی حسین سے ابتدائی عمر سے غیر معمولی خواہرام نہ محبت کی اور اسے
آخر دم تک نباہ دیا جسکی نظیر دنیا کے کسی نادانی تعلقات میں نہیں ملتی بھائی کو بھی
اس مظلوم رہن کی محبت کا آخری احساس اس وقت ہو چکا تھا جبکہ اسکی آنکھیں اپنے
فرزندوں کے غم میں غم تک نہیں لیکن قتلِ برادر کے بعد آنکھوں سے ٹکونکے
دریا بہ گئے جب تک زندگی نے وفا کی بھائی کے غم میں سو گوار رہیں۔

پروہ جنابِ نبیؐ عرب کے دستوں کے موافق خواہرام بنی ہاشم میں پروئے کاوی

طریقہ تھا جیسا قرآن و حدیث کا حکم کہ یخبر بن یحییٰ علی بن جعفر بن

حاشیہ جاری میں حضرت جعفر فرما۔ ایامِ جاہلیت میں مستوراتِ عرب اپنے جسم پر
آئینہ اس طرح لٹکتی تھیں کہ پشت کا نصف حصہ ڈھاکٹا تھا اور سینے کا حصہ

کھلا رہتا تھا۔ اسلام سے عورت کے جسم کے اگلے حصے کو ڈھکنا مقدم سمجھا تو

رہم پادشہ کی پشت ڈھک دیا۔ چنانچہ رب العزت نے بھی نصرتِ قرآنی کے ذریعے

اس بڑی زعم پر پروہ ڈال دیا۔

ہندوستان کی غور و خور میں جس پر بڑے کی بنیاد پر ہی اسکی عجیب نوعیت ہے
اور وسیع اسباب ہیں۔ میں تالیس برس قبل عورت کے انتہائی شرم و حجاب
کیلئے یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ فلاں بی بی اسے دیواری میں بیٹھی دیکھتی
مائیے چاہئے نہ ملنیے اصل تو یہ ہے کہ گزشتہ پر بڑے کی سختی کا رد و عمل اسباب
بے پردگی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ دوسرے مغربی تہذیب کی
آزاد ہواؤں نے سلیم کے کھونٹے سے چیل بازیاں شروع کر دی ہیں۔
کاش ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد یہ مغربی
خطرہ محسوس کر لیا جاتا اور اس پر وہ عرب کی پابندی شروع کر دی جاتی
جس کی طرف آج توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اَلَا ظَهَرَ مَدْنٰہَا۔
نخائیں عرب کا پر وہ تو یہ تھا کہ ایک مفتح اور ایک چادر۔ یہ ہندی برقع اور
بقول شخصے ”چلتے پھرتے تنو“ جسکے ڈھکاؤ سے عورت کی چربی ٹپکنے
لگتی ہے۔ عرب میں کہاں؟ تماشا یہ کہ برقعے کے بیلدار کنائے زمین پر
جتنے زیادہ محکمہ صفائی کی مدد کریں اتنے ہی زیادہ محافظ عصمت سمجھے
جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جذبہ شرم و حیا پر وہ دل سے پیدا ہوتا ہے
اور نظروں پر چھا جاتا ہے۔

جناب زینت نے جسوقت دینے سے قافلہ حسین کے ساتھ

کوچ فرمایا ہے اسی وقت سے انکے لیے اہتمام پر وہ کی روایات میں ہیں نیز
علی بن ابی طالب کے وقت میں جو وقت یہ شاتون موصوفہ رسول پر پڑے
فاتح شب کو تشریف لے جاتی تھیں تو حسین یا حسین کے ہمراہ اور حکیم حمید رومی
صحیح مسجد کی روشنی گل کر دی جاتی تھی۔

عالمِ اضطراب و بے یارگی میں اگر کسی شاتون کو پرستے کا خیال نہ ہے تو یہ وہ ملامت
لیکن عداوت کی طرف توجہ نہ کرنا تمدنِ اسلام کے منافی ہے جنابِ زینب
سے متعلق لکھا ہے کہ وقت شہادتِ حسین خیمے سے نکل آتی تھیں جس کا
احساس خود حسین غیور کو ہوا اور جب خیموں میں آگ لگی تو سیدِ شہاد کے
پاس گئیں اور کہا کہ تم اس وقت قائدِ اہلبیت اور نائبِ امام ہو کیا حکم ہے
فرمایا: "علیکم بالقرآن" مجبوری سے خیموں سے باہر نکل جاؤ کیا کوئی
عورت ایسے وقت مرد سے پوچھتی ہے؟ بظاہر جنابِ زینب کی یہ اضطرابی
کیفیت تھی لیکن جہاں اختیار تھا وہاں ان محذره کو خود اپنے پرستے کا ضرور
خیال تھا۔ قبلِ دخلتِ زینب علی ابن زیاد وہی تسرتو جہا
بکہمالات قناعہا قد اخذ منها۔ (جب جنابِ زینب ابن زیاد کے سامنے
گئیں تو اپنے پرستے کو آئین سے چھپا رہی تھیں کیونکہ مقنع چھین چکا تھا۔)

ایک عجیب خواب صاحبِ خصائص زینبیہ نے ثقۃ الاسلام محمد باقر علی
مقامہ کا ایک خواب پر وہ بیانِ اہلبیت کے متعلق نقل کیا ہے جو

نظر توجہ کا خواستگار ہے۔ لکھتے ہیں:

”میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ منبر پر ایک واعظ اہمیت کے متعلق کچھ بیان کر رہے ہیں۔ دورانِ بیان میں کھٹکے لگے۔ نہ معلوم منبر کے چہرے کھٹکے ہوئے تھے یا ڈھکے ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ خود یہ قلمبردار

اور تمام سیرانِ کر بلا حاضر مجلس ہیں۔ واعظ سے کہا وہ سب خود موجود ہیں۔ میں پوچھے لیتا ہوں۔ میں نے سوال کیا: اب تو نہیں کہ جناب زینتِ یاتم کلنوم نے کہا: ”مستورہ بودیم ولے لباسِ درستی نہ شتیم“

دیانت و امانت (اری) و بیوی معاذات میں تو جناب زینت کی دیانتداری

ان امور سے ظاہر ہے کہ پورے گھر کی دیکھ بھال خرچ اخراجات سب ان کے سپرد تھے۔ علی بن ابی طالب کی خلافت میں تو سب کے سب کسی بیرونی امداد سے بے نیاز تھے کیونکہ بیت المال سے رقم معینہ ملا کرتی تھی لیکن

بعد وفات آنحضرت ایک بڑی سالانہ رقم امیر معاویہ کی طرف سے امام حسن کے پاس آتی تھی۔ وہ سب جناب زینت کے ہاتھوں خرچ

ہوتی تھی اس کے علاوہ اُمّیئے عرب عراق کی طرف سے نیز امام

اور حق امام کی تحلیاں گھر میں آتی تھیں۔ خود عبداللہ ابن جعفر

کیا کسی سے کم تھے۔ خلاصہ یہ کہ جناب زینت نے سارا مال گھر کی

سیر چھی اور دیانت سے زندگی بسر کی۔

ابوہی امامت باطنی۔ تو بعض علماء نے حضرت زینبؑ کے مرتبہ روحانی کو امام
 مرتبے کے قریب تر سمجھا ہے اور بعض نے برابر کیونکہ وقت و وارے حسینؑ
 سید سجاد و عالم ہوش میں نہ تھے۔ جو کچھ روز معرفت و امامت اپنے چہنچہ
 تلقین نہ تھے و حضرت زینبؑ کو یہ کہہ کے سپرد کیے: ”جب میرا فرزند بیدار ہو
 اُسکو پہنچا دینا۔“ اس صورت میں انہوں نے گویا امام کی قائم مقامی۔
 رسالہ اکمال الدین غیبت میں شیخ طوسیؒ نے لکھا ہے کہ ثلثیہ میں
 علی بن احمد نے حکیمہ خاتون بنت امام محمدؑ سے ملاقات کی اور پوچھا
 کہ آپ کا مسلک کیا ہے۔ انہوں نے کہا امامیہ (غرض ملاقات شاید
 یہ تھی کہ امام دوازدہم کے متعلق معلومات حاصل کریں) اور سب اماموں کے
 نام لیے۔ ابن احمد نے پوچھا: ”امام مہدی کی امامت آپ کو کیونکر معلوم ہوئی
 نظر سے یا خبر سے۔“ کہا: ”راز ہاے امامت امام عسکریؑ اپنی والدہ کے سپرد
 کر گئے تھے۔ اس بناء پر کہ امام مہدی صغیر السن تھے۔“ پھر پوچھا وہ حضرت
 کہاں ہیں؟ جواب دیا پر وہ غیبت میں۔“ پھر سوال کیا مذہب امامیہ کھنے
 والے احکامات شرعیہ کس سے اخذ کرتے ہیں کہا امام مہدیؑ کی وادی
 (والدہ امام حسن عسکریؑ سے) ابن احمد نے اعتراض کیا: ”لوگ ایسے شخص
 کی پیروی کیوں کریں جس نے خود تو پر وہ اختیار کیا ہو اور امام ہو کے
 معاملات ہدایت ایک عورت کے سپرد کر دیے ہوں۔“ حکیمہ خاتون نے

جواباً کہا: ”لوگوں کو اس معاملے میں سید الشہداء کی پیروی کرنی چاہیے
جنہوں نے سید سجاد کو بہوش پاکے علوم باطنی اپنی بہن زینب کے پیرو
کر دیے تھے۔ کہ جب عالم اختیار میں میرا فرزند آئے تو بہنچا دینا۔
اللہ کیسی بی بی بیاں گزری ہیں کہ رازداری میں انبیاء و اولیاء کی
برابری کریں۔

عام خواتین کی رازداری ایسا صورت سے تو ہماری خواہش نہیں محترمہ کا یہ عالم ہے
کہ مشکل سے راز کو راز سمجھتی ہیں۔ جہاں آپس میں کھوڑی سی بنے کھنٹی اور
کانا بھوسی ہوتی اوہل پڑیں۔ ایک بہن نے دوسری بہن سے اتنا کہہ کے
سب کو چھوڑ دیا: ”بہن شہسی سے کہتا نہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوگی تو قیامت
ہو جائے گی۔“ جواب ملا: ”واہ بہن! کیا وہ ہندی ڈھنڈو دراپتی
بھرے گی!“

اتفاق سے اگر کوئی بات واقعی صیغہ راز میں رکھنے کی ہے۔ تو پھر
نہ بوجھے۔ پیٹ میں جو ہوں کی عملداری ہو جاتی ہے۔ بلبلانی جاتی
ہیں کہ کوئی ایسی بھانڈی بھرم بہن میں جن سے مل کے دلکی بھر اس
نکالی جلدئے خیر۔

یہی دن برس کے اندر کی بات ہے کہ مصطفیٰ کمال نے اپنی حسین بی بی
لطیفہ خانم... کو جو فرانسسیسی الاصل تھی مگر بنابر طلاق ویدی

کہ اُس نے ایک سیاسی و زلفا شئی کر دیا تھا جس سے جمہوریہ ترکی کو نقصان
کا اندیشہ تھا۔ آخر وہ ملک جسے میرزا پورین کہتے تھے مگر لیکن بال
اسکے جہاں ظاہری سے متاثر نہوا۔

خوین میں جہاں ظاہری کے ساتھ جہاں باطنی بھی لازمی تھے ہے۔

حفاظتِ مسلم میں اسے مستحکم کر دیا کہ نام حسین کی شہادت نے رسول کے
زینب سے حصہ قائم کر دیا نظامِ سلام کو برقرار رکھا۔ ورنہ یہ مذہبی سلطنت
نے جس عنوان سے ابتدا کی تھی اگر اسی طرح سلاطین بنی امیہ عرب میں حکومت کرتے
رہتے تو سلام معلوم کس بدنام صورت میں مسخ ہو جاتا۔

یزید تھا اور عرب کا صابریل میدان۔ جہاں تک چاہتا فسق و فجور کا مرکز
و نہ تاتا چلا جاتا۔ وہ تو یہ کہیے کہ اللہ کے پیارے رسول کے دولائے
اور فاطمہ کے لاٹھے نے ایک خونیں خندق راستے میں کھود دیا جس سے
اسکی تمام رعیتیں رگ گئیں ورنہ خود سوچئے کہ کیا ہو گیا ہوتا؟
حسین قتل ہونے کو تو ہو گئے لیکن اُسی کے ساتھ قبائل عرب میں اثرات
مابعد نے ردِ عمل شروع کر دیا اور خاندانِ بنی امیہ کی طرف سے جمعیت
عامہ وائل ہونے لگی۔ خود یزید کی بقیہ مختصر زندگی اسی اوڈھیر میں
گزئی کہ دینے والوں کو کیونکر موانع بنایا جائے۔ اور محبانِ آلِ رسول
میں اندری اندر مقام کی آگ سلگ ہی تھی۔ موتِ یزید کے بعد سلیمان

مختار و ابیہم پیدا ہو گئے۔ دوسرے ذکر حسین کے سلسلے میں منبروں پر
سلطنت امویہ کے خلاف پروپیگنڈا ہونے لگا جس نے آخر کار اس کا
تختہ الٹ ہی کے چھوڑا۔

استقلال زمینت قتل حسین کے بعد ایسے سکون و استقلال سے کام لیا کہ
نظر نہیں۔ دوسری عورت ہوئی تو عباس باختم ہو جاتی۔ اودھ فوج یزید
کی خیام اہل بیت پرورش بیمار فرزند حسین کا عالم ہوئی۔ درخیمہ پر گوانہ کا
ہجوم کیونکہ رجبہ والی وارث کی لاش سامنے پڑی تھی لیکن وادری زمین
خاتون اینا غم بھول گئیں اور سب کو سہیے بیٹھی رہیں دربار ابن زیاد میں تو
آگے آئے مجلس یزید میں داخل ہوئیں تو پیش پیش بیٹھے وہیں آئیں تو بھی صفحہ
میں بیٹھنے والوں کو شکین و لاسا دینے کا کام نہیں کئے پھر دیکھا خلاصہ
یہ کہ خود کو بھول گئیں اور سب کو یاد رکھا۔

سب سے زیادہ قابل نظر یہ ہے کہ نصیحت و تلقین سیر میں نجد کی کے ہلو کو
ہاتھ سے جانے نہیں دیا چنانچہ جب اسروں کا قافلہ چلنے لگا تو سید سجاد
لاش پدر کے پاس آئے شدید غم و الم کا مظاہرہ کرنے لگے تو یہ
بڑھیں اور (حَالَتِ بَثِّي وَبَيْنَ جَسَدِ الْحُسَيْنِ) درمیان میں
حائل ہو کے بولیں (بِئْسَ اللَّهُ تَعَالَى كَيْفَ كُنْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ) (بِئْسَ اللَّهُ تَعَالَى كَيْفَ كُنْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ)
زمین اور خاک کو ذمہ کوئی میں مجلس ابن زیاد میں پہنچ کے بلند اور مستقل
دلیرانہ گفتگو

آواز سے فرمایا: **شَعْبُوا ابْصَارَكُمْ عَنَّا** (آنکھیں بند کر لو) اور
ایک گوشے میں خاموش بیٹھ گئیں۔ لیکن ابن زیاد سے منفرد اس نے پوچھا
مَنْ هَذِهِ الْمَتَكِرَةُ؟ یہ کون عورت ہے جسکی ناک بھوں چڑھی ہوئی ہے؟
کسی نے کہا: **زینب بنت علی**۔ وہ ملعون بولا: **خدا کا شکر ہے جس نے**
تم کو رسوا کیا اور بنائی ہوئی شہرت کو بھٹلا دیا۔ زینب نے جواب دیا:
”خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اس نے اپنے بیٹی کی وجہ سے کرمِ خلافت کی یافت
و فخری رسوا ہوا کرتے ہیں اور بھٹلانے جاتے ہیں۔ یہی ہمارے دشمن
ہیں۔“ اس نے پوچھا: **تمہارے نزدیک خدا نے تمہارے بھائی حسینؑ**
کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے فرمایا: **”رب العزت نے جو کچھ**
کیا اچھا کیا۔ یہ لوگ جو کہ بلا میں قتل ہوئے۔ خدا ہی کے حکم سے ہونے اور
سیدھے جنت میں پہنچ گئے۔“ **قریب ہے وہ زمانہ کہ ظالم و مظلوم دونوں**
اس عادل حقیقی کے سامنے کھڑے ہونگے۔ لے ابن زیاد! تو بھی مظلوم
ظلم میں کھڑا ہوگا جواب کے لیے کیا رہا۔ (اے ابن مرجانہ۔ تیری ماں
تیرے غم میں روئے) میں بھی تیرے سامنے موجود ہونگی۔ دیکھ لینا کو
کیا ہے۔“

ابن زیاد نے حکم قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن عمرو بن حرث موجود تھا
اس نے کہا کہ عورتوں سے مواخذہ نہیں کیا جاتا۔

جناں پر زینب کا بیکارہ کوئی نہیں تھا اور وہ اپنے اور شام میں زینب
 ملعون سے عربی زبان میں گفت و ملاحت کا ایک خزانہ ہے
 جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ کوشش میں نہیں اور ذقیام رہا۔
 زینب شام میں اجنب کر بلا کے قیدی و مشوق پہنچے تو ان کو ایک خرابے میں
 رہنے کو جبکہ وہی کئی اور صبح کو مجلس پر یہیں پہلی مرتبہ رسن بستہ لائے گئے
 وہ ملعون تخت شاہی پر بیٹھا تھا اور حسین طشت میں سامنے رکھا تھا
 جس سے ناگفتہ بہ بے ادبی کر رہا تھا چنانچہ ایک صحابی بولنے جو
 وہاں موجود تھے اسکو اس حرکت ناشائستہ سے باز رکھا۔ سید سجاد اور زینب
 کی گفتار اور حکم قتل وغیرہ بیان خارج از بحث ہیں جناب زینب نے جو احتجاجات خطبے کی
 صورت میں دربارِ پدید میں کئے ہیں وہ اہل زبان عربی میں زیادہ پر
 ہیں (کو ذرا شام دونوں خطبے آخر میں اردو میں ترجمہ کر دیے گئے ہیں) اعلیٰ کلام حق
 میں وہ وہ نکات ان محظّم نے بیان فرمائے کہ اہل دربار کی آنکھیں کھل گئیں
 اور وہ پرو پیگنڈا جو دورِ معاویہ سے پہلے اس وقت تک ان سول کے خلاف
 شام میں کیا گیا تھا ایک دم میں باطل ہو گیا۔ جب زینب ملعون نے دیکھا
 کہ کلامِ زینب سے عمائدِ دربار متاثر ہو رہے ہیں تو قتل حسین پر طمانند
 کرنے لگا اور ابنِ زیاد پر الزام قتل رکھنے لگا۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ تم لوگوں کو
 اختیار ہے چاہے تم کے جاؤ یا نہ کیے یا نہیں رہا میں اختیار کرو۔

جناب زینب نے فرمایا: "اے یزید بن ابی سہل کی سخت گیری نے ہم کو گواہ
 کو شہیدوں پر دل گول کے روئے نہیں دیا۔ سچ پہلے ہم مجالس عزرا
 بن کر ناچا کرتے تھے۔ اُس نے حکم دیا ایک مقام وسیع دیا جائے جہاں
 اس مقام پر ہم حسین پر پاکیا گیا۔ لکھا ہے کوئی زن قریشیہ وہ شریفہ
 میں نہ تھی جو ان مجالس عزرا میں نہ شریک ہوئی ہو اور حزن طلال کیا
 ایک مہینے تک ہی عالم رہا۔ یزید کو یہ خوف بھی تھا کہ ایسا ہوا ہل شام
 ان مظاہرات ہم سے متاثر ہو کے غدر کر دیں سید سجاد کو ملا بھیجا۔
 جناب زینب کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاس میں اور فرمایا: اے
 نور نظر! ذرا نرمی وانکسار سے گفتگو کرنا وہ ظالم تراشکر لے ہے۔ اعداؤں
 اُس کے رہول سے نہیں ڈرتا جب یہ پہنچے تو کھڑا ہو گیا اور اکرام و احترام
 کے ساتھ صدر مجلس میں جگہ دی اور کہا: "اے علی بن الحسین! جو ضرورت ہو
 کہے۔ وہ دفع کر دیجئے۔" آپ نے فرمایا: "مجھے تو کوئی احتیاج نہیں۔
 دوسرے یہ کہ میری بھوپنی زینب کو ہمارے معاملات میں اختیار کامل ہے
 اُن سے دریافت کرنے۔ چنانچہ جناب زینب کو مع زمان ابلیت طلب
 کیا گیا اور اُن کے اعزاز و احترام کا یہ خیال کیا گیا حتیٰ کہ دربار میں
 ایک پردہ ڈال دیا گیا جس کے عقب میں اہل حرم تھے۔ سید سجاد نے
 قول یزید کو بھوپنی سے دہرایا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں۔ یزید

بولائے خواجہ حسین اب صبر کرو۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب چلا گئے ہیں انہی پر نظر کرو۔
چنانچہ جناب زمینت نے مراجعت مدینہ کی خواہش کا اظہار کیا۔ یزید نے غلط
انتظام کا حکم صادر کر دیا۔

اختلافات اور باب اطلاق نے شام میں مدت قیام طہیث کے متعلق اختلاف
در توقف شام کیا ہے کوئی کہتا ہے اٹھارہ روز، کوئی کہتا ہے چالیس روز۔
اور کسی نے چھ مہینے لکھے ہیں۔

غارت شدہ چیزیں سوائے عورت آل رسول کے سب لیں ہیں۔ حتیٰ کہ
بقول بعض مہر حسین بھی سید سجاد کے حوالے کر دیا گیا تاکہ حسین سے
ملحق کر دیا جائے۔

سیاہ عماریاں اور کجائے اونٹوں پر رکھے گئے نیماں بن بشر
اور ایک مختصر محافطین کی جماعت کے ساتھ پندرہ شدہ قافلہ منزل
منزل کھترتا ہوا دوبارہ وارد کر دیا ہوا۔ اور وہاں سے دینے پہنچا جوت
یہ سب دینے پہنچے تو ایک حشر بپا تھا۔ اور وہاں کا بچہ بچہ و احسیناہ
کی صدا بلند کر رہا تھا۔ جناب زمینت یوں اپنے دشمن کو آخری منزل تک
بخیر و خوبی لے آئیں!

لکھتے کہ متواتر پندرہ روز تک ایسا ن مدینہ میں مجلس علمائے حسین ہو چکی۔
یوں تو اگر دیکھا جائے تو جناب زمینت نے دشمن ہی میں مجالس حسین کی

نبی و والدی تھی۔ جہاں زمانِ زلیخہ ہاشمیہ کا کافی مجمع ہو جایا کرتا تھا
لیکن مدینے میں اسکی دوسری نوعیت تھی یعنی یہاں مرد اور عورتیں ب
مختار تھیں کہ جو وقت اور طرح چاہیں میاں میں غرا بہا کرتیں۔
جنابِ زینب غالباً سمجھ گئی تھیں کہ سلطنت کے خلاف اگر کوئی حربہ کام
کرنا والا ہے تو وہ ناراضی عوام چنانچہ ان مجلسوں کی نوعیت ہی یہی قائم
کر دی کہ بنی امیہ سے عوام میں نفرت پیدا ہو جائے اور ہو گئی حتیٰ کہ بنی امیہ
مٹ گئے مگر ان سے نفرت اب تک باقی ہے۔

امتحانِ زینب | صوفیائے کرام اور عارفانِ الہی کا یہ قول ہے کہ
الْبَلَاءُ لِلْوَلِیِّ تَکْمِلُ مَحَبَّتَ الْاِلهِ بِغَيْرِ اَرْشَادٍ قُوَاکَ ظاہری ممکن نہیں
اسی وجہ سے انبیاء اور اولیاء اللہ پر بڑے بڑے مصائب گزرتے
ہیں۔ خود ہمارے رسول کریم و انکے اہلبیت پر صد بار عظیم گزرتے
ظاہر ہیں لیکن اُسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جہاں انکے شدید امتحانات
پر نظر پڑتی ہے پیشِ خداوندِ عالم انکے مراتب کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔
جنابِ زینب عورت تھیں لیکن کتابِ فضائلِ روحانی میں انھوں نے
جو انفرادی ظرفیت کے دائرے میں قدم رکھ دیا ہے اگر آپ انکی زندگی
پر نظر غور و الیہ تو معلوم ہو گا کہ انھوں نے عالمِ انسانیت میں ہر قسم کا
دیا اور سب میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

مسرور رضا لکھا ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری بہت ضعیف ہو چکے تھے کہ
 پیار ہوئے، امام محمد باقرؑ اس محبوب صحابی رسولؐ کی عیادت کو تشریف
 لے گئے، اور مزاج پرسی کی جناب جابرؓ نے کہا: "اب وہ عالم ہے کہ
 بڑھا یا شباب سے زیادہ محبوب، مرضِ صحت سے زیادہ مرغوب اور
 حیات سے زیادہ مسرور کرنے والی ہے۔"

جناب باقرؑ نے اور فرمایا: "بھئی میں تو یہ جانتا ہوں کہ بڑھایا ہو
 یا شباب، مرض ہو یا صحت، حیات ہو یا ممات، جو کچھ اللہ عزوجل کے میرا میر
 اطاعت تم ہے۔" جناب جابرؓ نے جو یہ سنا تو پیشانی امام پر پوسیدہ
 اور کہا: "رسول اللہؐ نے سچ فرمایا تھا کہ اسے جابرؓ تو میرے اس
 زندہ سے ملے گا جو میرا ہم نام ہوگا اور اس کی نظر خوش رہے گا
 شکافِ دل کے جوابات نکالے گی۔"

اس ذکر سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جناب جابرؓ مرتبہ صبر کے حامل تھے۔
 لیکن امامؑ نے مرتبہ تسلیم و رضا کی تلقین فرمائی جسکی منزلی صبرِ بلند تر ہے۔
 بندہ کی نالائقی اور درخواستیں
 حق ہی گوید کہ آخر درج و درو
 صد شکایت کی کندازِ رنج وین
 در حقیقت مرید و داروئے نیت
 مر ترا لا بہ کنان و بہت کرد
 زین سبب برانسیا رنج و خلوت
 کہمپائے نفع و ہجوئے نیت
 از ہر خلق جہاں افزون ترست
 (مثنوی شریف)

جہاں پر زینب کی ابتدائی نعم حضرت ختمی مرتبت کی وفا پھر درجہ خلیفہ
سے جدائی اور ہم پر علیحدہ احیدر کار حسن محبتی کی شہادت کے بعد امام
حسین کے دشمنوں نے معاہدہ ترک دینے پر پابندی نہ کی، سفر کر بلا، تعویذ جانی
خبر قتل مسلم بن عقیل، مداخلت عربین، یزید ریاحی، دغلا کر بلا، مسائب، نصب خلیفہ
امام حسین اور عمر بن سعد کی گفتگو۔

انتہائی غم، قحط آب و غذا، بھوک پیاس، اغراء انصار کی قربانی، اپنے
فرزندوں کا قتل اور آخر میں وہ عظیم شان شہادت کے متعلق اقبال مرحوم نے فرمایا ہے
اللہ اللہ بایں بسم اللہ پر۔ معنی فوج عظیم آمد پس
کلمات زینب اب وہ موقع آ گیا کہ دنیا نے خواتین خاندان رسالت
کے اسی جوہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ امیر ہر
بے مددگار مگر محالہ حق میں دلیر و دشمن چھوڑ گئے (مرد ہو یا عورت)
حق کی موجودگی میں باطل یوں ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ چاہے حکم کوفہ کی مجلس ہو یا
امیر شام کا دربار۔ سو نے پرہیز کیا کہ اپنے کسی قول و فعل سے کلام خدا اور حکام
رسول کے اشارات کو نظر انداز نہیں کیا۔ سلام اور قلمی سلام اس خاتون خاندان
رسالت پر جسے حسینی مشن کو اپنی آخری سرحد پر پہنچا دیا اور اپنے کارناموں
کو معافیت اسلام کیلئے طرہ امتیاز بنا کے زینت فرموس ہوئیں۔
زینب کذابہ ابو ہاشم جعفری نے امام علی نقی کے معجزات کے سننے

لکھا ہے کہ متوکل عباسی کے دورِ سلطنت میں ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ
 میں زینب بنت علی ہوں (نورالابصار میں بھی یہی واقعہ لفظ شریفہ کے ساتھ
 نقل ہے) متوکل نے اُسے بلا کے کہا کہ تو نوجوان عورت ہے اور رسول
 کے زمانے سے ہر وقت تک مدتِ دراز گزر چکی ہے تو بڑھیا میں ہوتی۔ اُس نے
 جواب دیا کہ میرے جد رسول اللہ نے میرے حق میں اللہ سے دعا کی تھی کہ
 ہر چالیس سال گزرنے پر کچھ روز روپوش ہو جائے بعد پھر نمودار ہو تو چونکہ
 لوگوں نے کہا کہ زینب بنت علی کا یہ سن وفات ہے متوکل بولا۔ کیا جواب
 دیتی ہو؟ اُس عورت نے کہا یہ درمیانی زمانہ میرے لیے روپوشی کا تھا میں تو
 اصلی زینب ہوں۔ کوئی شخص میرے سن وفات و دفن کو صحیح نہیں بتا سکتا۔
 متوکل نے کہا: میں نسلِ عباسی سے نہیں اگر اس جھوٹی کو جھٹلا کے نہ چھوڑ دوں
 درباریوں نے شورش و پا کہ امام علی نقیؑ کو بلانے شاید یہ قضیہ حل ہو جائے
 وہ تشریف لائے۔ واقعے کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے بھی فرمایا: بخشی
 زینب بنت فاطمہؑ تو فلاں سنہ میں وفات فرمائیں۔ متوکل نے کہا: میں
 اس اپنی دلیل سے اس مدعیہ کو خاموش نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ
 اس کے سامنے کوئی غاکسوفی البیت کے گوشت پوست ہونے کیلئے پیش کر جائے
 امام نے فرمایا: اگر یہ فاطمہؑ زادی سے تو اسے درندوں کے سامنے چھوڑ دو
 چائے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ متوکل نے اس سے پوچھا کیا کہتی ہو؟

وہ تھکی بڑی طرّا اور حاضر ہو ابلی: یہ حضرت تور شک سے چاہتے ہیں
 کہ مجھے درندے پھاڑ کھائیں: امام نے مجھ سے دربار کی طرف نظر
 اٹھانے کہا: اے متوکل! میرے سامنے خدائی بھی یہاں جتنی بھی
 جعفری بھی، رضوی بھی ہیں کاظمی بھی خلاصہ یہ کہ آل رسول کا پورا موجود
 کسی ایک سے کہہ دے کہ خون فاطمہ کی آرزائش کراے!

ابو ہاشم خدا کی قسم کھا کے لگتا ہے کہ اس فعل سے مدعیان نجاست و
 شرافت کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے بھوتہ سے منہ کل آئے۔ دل میں
 کہنے لگے۔ جل تو جلال تو صاحب کمال تو آئی بلا کو مال تو۔

بعض نے کھڑے ہو کے کہا: اے امیر المؤمنین علیؑ تو قائم مقام
 امام رضاؑ ہیں یہ کام تو انھیں کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ متوکل نے حضرت کی
 طرف متوجہ ہو کے کہا: آپ کو کیا عذر ہے؟ فرمایا: ”کچھ نہیں حکم بھیجے
 بركة السباع کہ کھڑوں کے شیر چارہ دیواری کے اندر چھوڑ دیے جائیں۔
 اور باہر کچا نب زردبان رکھ دی جائے۔“ حکم کی دیر تھی بھوکے شیر
 اعاطے میں گشت کرنے لگے۔

ادھر سے پورا دربار اٹھ کے درندہ خانے پہنچ گیا۔ امام نہایت اچھا
 سے شیر شہی کے ذریعے سے اعاطے میں اتر گئے۔ آل رسول کے ذہبوں میں
 ایتدات اللہ بنصرہ کا شور اٹھا۔ زمین پر قدم رکھنا تھا کہ تمام

شہروں نے گردنیں ڈال دیں اور امام کے چاروں طرف حلقہ باندھ لیا معلوم
 ہوتا تھا جیسے پالو بکریاں ہیں۔ آپ نے سب کے سروں پر دست شفقت
 پھیرا بھانگ کی سلاخوں سے سب پر پھیرا اور انگشت بندھاں تھے۔
 کہ متوکل کے وزیر نے کان میں کہا: "جلد سے جلد اس منظر کو
 ختم کر دیجیے ایسا نہ کہ شہر میں خبر پہنچ جائے اور لوگ جوق جوق یہاں
 پہنچ جائیں اور اپنی آنکھوں سے شرفِ جلالت امام دیکھ لیں جھنڈ
 میں تباہی دینا ہوں کہ آپ کے اقتدار شاہی میں کھن لگ جائیگا کھن!
 چنانچہ امام سے درخواست واپسی کی گئی اور آپ نے منظور فرمائی۔ سر
 اب متوکل نے بی زمینت بنی سے کہا: "تشریف لائیے! اس بیچارہ
 کا ٹوٹا ہوا نہیں گرد گرد کے کھن لگی: "میں فلاں کی بیٹی اور فلاں مقام کی
 بیٹی ہوں۔ میں جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ ترجمہ خسروانہ سے نسا کر دیجئے
 متوکل کی آنکھیں غصہ سے پھٹ گئیں اور حکم دیا کہ زبردستی شہر کا سامنے ڈال دیا
 جائے لیکن اس نے سے نکل گیا: زمینت خواہر حسین کا منہ مجھے بخشد یا جائے
 اپنی متوکل کی بوڑھی ماں کو رحم آگیا اور اسے چھوڑ دیا۔

زمینت بنت علی اپنے کردار بلند سے اس مرتبے پر فائز ہوئیں ثانی
 و پیر اسلاش شہزادہ اسود زمینت میں کلمہ ثانی خضہ ہو جائیں کہ دلدار
 دیو جائیں اور خضر نقوی تواجد و ثنا ہی اور خود و ثنا ہی حق رکھتے ہی پیدا

وفات و مدفن | یہ تو دیکھیے کہ جناب زمین کر بلا کی وفات کو واقعہ کر بلا
جناب زمین کر بلا کے ساتھ غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے جس کے حالات
مستروں پر بیان کیے جاتے ہیں اور جس کے سوا کچھ لکھے جاتے ہیں ان کا سن و سال
وفات و مدفن صحیح نہیں ملتے۔

وہ تو کیسے اہم حدیث کا واقعہ شہادت ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے جو
صدیوں کے تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ ورنہ بہت ممکن تھا کہ
میرزا امیرت دہلوی (جس کا روایت واقعہ شہادت کیا تھا) کامیاب ہو جاتا۔
اور مسلمان غالی تہڑمچانے بھجائے۔ ہر منہج ایک زمین کر بلا کے سن و سال
و مدفن کا ذکر کرنا ہے لہذا یہی ایک قول کی متابعت ضروری ہے۔

اتفاق ابھرے کہ وقت وفات جناب زمین کر بلا کی عمر ۵۵ یا ۵۶ برس
کی تھی۔ شام سے جب مدینے واپس آئیں تو اسکے چہرہ بعد انتقال فرمایا
اور مدینے میں نون ہوئیں حضرت ناصر الملک بھی اسی شہر کے موبد تھے۔
راہ شام میں بھی ایک مزار جناب زمین کر بلا ہے۔ وہ اس سلسلے میں
کہ یزید نے ان کو دوبارہ شام میں طلب کیا تھا تشریف لیجاری تھیں
کہ ایک باغ کے قریب محل سے اتریں اور آب جاری کے کنارے بیٹھیں
پانی کو دیکھ کے حسین کی پیاس یاد آگئی۔ سو سویش ہو کے پانی میں گوبڑیں
چونکہ پانی مرگ گیا تھا اس وجہ سے باغیان آگیا اور اس نے دیکھا کہ کوئی

شے پانی کی روانی میں بالج ہے لہذا ذیل پر مارا جو سرِ مقدس پر پڑا
بعد کو معلوم ہوا کہ وہ محترمہ تھیں جو شہید ہو گئیں۔ یہ روایت اس قدر
ضعیف اور روایت سے خارج ہے کہ کوئی صحیح الدلائل ان کو اسے
باور نہیں کر سکتا۔

اسی طرح مصر میں بمقام قناطر السباع قریب مسجد جناب زینت کا
مزار مقدس بتایا جاتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بے بنیاد معلوم ہوتا ہے
کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ روضہ رسول و فاطمہ اور بقیہ نقوشِ مطہرت
کو چھوڑ کے مصر شریف لیجا میں اور کیوں؟ حالانکہ جناب عبداللہ بن جعفر
ان کے شوہر مدینے میں رہے اور وہیں شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ اولاد
جناب زینت بنت علیؑ میں سے ممکن ہے اس نام کی کوئی بی بی وہاں دفن
ہوں اور حولِ زمانہ نے وادی اور بستی میں اشتباہ پیدا کر دیا ہو۔ بہر حال
بعض علما کا یہ خیال ہے کہ جہاں کہیں ان محترمہ معصومہ کا دفن مقرر
ہوئے قابلِ احترام سمجھنا چاہیے۔

ترجمہ خطبہ کوفہ (مختل ابن زینا)

اے اہل کوفہ! اے خدا اور مکار لوگو! تم ہم پر گریہ کرنے ہو حالانکہ خود
تم نے ہم کو قتل کیا ہے! سو قاتل نکمہ تمہارے خطبہ و ستم سے جہاں سے آئو

نہیں تھے اور ہمارے لئے نہیں تھے۔ تمہاری مثال میں رت کی جہ سے اپنے رشتے کو
 مضبوط بنا اور کچھ کھول ڈالا۔ اسی طرح تم نے اپنے رشتہ ایمان کو توشہ کے انصر کی طرح
 عود کیا۔ تمہارا دعویٰ سراسر بے عمل اور بکلیخت باطل ہے۔ جیسے کنیزوں کا تعلق
 اور دشمنوں کی عین جونی تم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے غورے پر ٹھاس
 اُگی ہو۔ یا تار کول پر ریش نقرہ کا کیلگی ہو۔ تم نے آخرت میں اپنے لیے
 بہت خراب توشہ اور ذخیرہ بھیجا اور اپنے آپ کو ابدالاً باد تک سزاوارِ جہنم کیا۔
 تم ہم پر پڑتے ہو۔ حالانکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا۔ یہ سچ ہے کہ اب تم، ڈونیا
 اور ہنسو کم۔ تم نے عیوب عارِ ابدی خود مول لیا۔ اس عار کا دھبہ تمہارے عالم
 سے کسی پانی سے دھل نہیں سکتا۔ حسین جگر گوشہ رسولِ شقائقین و سردارِ جوانان
 بہشت کے قتل کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو۔ تم نے اس شخص کو قتل کیا جو تمہارے
 پیشواؤں کا جائے پناہ اور تمہاری جنتوں کا روشن کرنے والا تھا۔
 ہر سیدہ بیت میں تم اس سے پناہ کے طالب ہوتے تھے اور احکامِ
 دین و شریعت کو تم اسی سے اخذ کرتے تھے۔ اے کوئیو! تم نے وہ
 گناہ کیا جس کے سبب سے رحمتِ خداوندی سے ناامید ہو جاؤ۔ تم
 دنیا و آخرت میں گنہگار ہو کے مستحقِ عذاب الہی ہو گے اور اپنے لیے ذلت
 و خوارگی مول لئے۔ تمہارے یہ ہاتھ قطع ہو جائیں اے اہل کوفہ! داتے ہو
 تم پر۔ سو جو تم نے رسول کے کن جگر پاروں کو قتل کیا۔ درکن پر کیا

اہلبیت رسول کو بے پروہ کیا۔ تم نے ایسے افعال کیے ہیں جن کی تائید کیوں
زمین و آسمان کو گھیر لیا۔ تم کو نجات ہے کہ آسمان سے خون برسا۔ یہ
کیوں؟ عذابِ آخرت کے وقت تم پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس سے بدتر
جہاں تمہاری کوئی مدد نہ کرے گا۔ اس مہلت سے مغرور ہو کر بولنا چاہتے
ہاں رسول پر عقوبت کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ اس سے نہیں ڈرتا
کہ وقت انتقام گزر جاتا ہے۔ تمہارا پروردگار گنہگاروں کی گھات
میں ہے۔

+916302383399

@ShiaIniaasana



مولانا محمد عباس مسعود کتاب شناس و بان

ترجمہ خطبہ شام

(در بارہ یزید)

بعد خدا نے برتر و فخر جد کی پیغمبر۔ جن لوگوں نے بدی کی اس کا
انجام بد ہوگا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے آہات خدا کو جھٹلایا اور انکی
ہنسی اڑائی۔

اے یزید! کیا تیرا بہ گمان تھا کہ ہم پر تمام راہیں بند کر کے
ہم کو قید کر کے اور کوہِ بازار میں بھرا کے تو کوئی نصرت حاصل
کر لے گا۔ کیا تو یہ سمجھا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہمیں ذلت ملی ہے
اور تجھے بخشش و رحمت۔ تو اس کو اپنے لیے بڑی عظمت و شان
سمجھتا ہے۔ تیرا دل آسمان پر پہنچ گیا ہے اور تو خوشی کے مارے

بنائیں بجا رہا ہے (اور تو یہ جو سمجھا ہے) کہ ہمارا ملک تیرے
 لیے صاف ہو گیا ہے۔ اور ہمارا اقتدار تیرے حصے میں آ گیا
 ہے۔ ذرا غسل کے ناخن لے۔ کیا تو حکم خداوندی بھول گیا کہ فرمانا
 ہے: "جن لوگوں نے نافرمانی کی ہے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے انکو
 چھوڑ دیا۔ بلکہ ان کی دسی دراز کر دی ہے تاکہ اور عصیان کریں۔
 حقیقت یہ ہے کہ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔" اے زید! یہ
 کیا انصاف ہے کہ تیری عورتیں بروے میں رہیں اور زنان آل رسول
 کی بے حرستی کی جائے۔ ان کو شہر شہر کوچہ و بازار میں بے متنع و حیا و
 چھپایا جائے۔ تو نے ہر طبقے کے انسانوں میں ان کی پردہ دری کی۔ انکے
 ساتھ کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ تو نے خدا کی نافرمانی
 اور رسالت کا انکار کیا۔ تجھ ایسے کافر سے ان حرکات کا سرزد ہونا
 کچھ بعید نہیں ہے۔ ایسے ظالم سے کیا امید ہو کہ وہ نافرمانی ہو سکتی ہے
 جس کے موہنے سے شہید کی جگر دکھانی دیں (اشارہ سوئے ہندو جو
 غوارہ) اور جو اخبار امت کی خونریزی کو کر کے بھول گیا ہو جس نے
 خلاف رسول لشکر کشی اور جنگ کی ہوا اور رسول کے سامنے
 تیغ اٹھائی ہو۔ سخت کافر ہے وہ عرب جو خدا کا منکر ہو۔ اور اس سے
 زیادہ وہ جو اس کے رسول سے طاعتی ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ کلمہ

کافر ہے جس نے کفر و طغیان اظہار و عدوان اختیار کیا۔ یہ سب علامات کفر ہیں اور بتاتے ہیں کہ غزوہ بدر کے مقتولین کا کینہ اب تک سینے میں باقی ہے۔ یہم اہل بیت وہی بغض رکھتے گاہ جس کی نظر میں جہد و عداوت دیکھنے جا گزریں ہوا و کفران رسالت کھلم کھلا کرتا ہو جس نے اُس کے فرزند کو قتل کیا ہوا اور اُس کی ذریت کو اسیر۔ جو اس فعل بد کو عظیم تصور کرے اور نہ تو بہ کرے بلکہ ایسی دیدہ دلیری کرے کہ مقتولین بدر کو پکار کے یہ شعر پڑھے:

لَا تَهْلُوا وَاسْتَهْلُوا قَرْحًا وَبِقَالِهَا يَزِيدُ لَا تَسْلُ!

(اے کاش میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں سلا نوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے آج موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے رسول کی اولاد سے کیا بد لایا۔ تو بہت خوش ہوتے اور کہنے

یہاں سے زیادہ تیرا ہاتھ نہ شل ہو) قتل کیے جا ح

جن در ہائے دندان پر رسول نے بوسے دیتے ہوں اُن کو چوب سے چھیڑا گیا ہو اور غضب یہ ہے کہ اس فعل سے آثارِ فرح ہرے پر ہوں۔ میں قسم کہتی ہوں کہ تو نے زخم کو گریہ دیا اور رسالت کی بیخ کنی کرنی چاہی! اور پھر تو نے حسین شہیدِ بابلی حنبت اور یحییٰ جگر حیدر کرار کا خون بہا کے اپنے اسلاف کو یہ کہہ کے پکارا اے لیت اشیاءِ بید پر شہیدِ وا (کاش ہمارے جنگ جہد کے مقتولین دیکھتے)

اگر وہ نہ آئے تو خود لو اُن تک جلد پہنچے گا اور جب اُن کا اور تیرا آئنا منسا

ہوگا تو تجھے پتہ چلے گا کہ تو اور وہ کس سخت عذاب الہی میں مبتلا ہوئے! اس وقت تو
چاہے گا کہ کاش وہ ہاتھ جس کاشل ہوتا تو نہ چاہتا تھا کہ مٹی سے قطع ہو جاتا اور مینا
کہ بہتر تھا میں پیدا ہی ہوا ہوتا تاکہ اس عذاب الہی و خشم رسولؐ کو چاہنا نہ پڑتا۔
بارِ الہا! ہمارے ظالموں کے بدلہ لیے اور ہمہ کائناتوں پر غضب نازل کر جنہوں نے بے والی
وارثت کے ہماری ہتک حرمت کی۔ خیر۔ اے یزید۔ جو تو نے کہا سو کیا۔ مگر تو نے اپنا
ہی پوست جدا کیا اور اپنا ہی گوشت قطع کیا۔ وہ وقت زریبؑ کے تجھے رسولؐ کے
سامنے اُن افعال کی جوابدہی کیلئے جانا پڑ گیا جو تو نے اُن کے لیے جائز رکھے (اُن کی
آل کی خونریزی اور ہتک حرمت) اُس وقت جبکہ عادل برحق اُنکے گروہ کو یکجا کرے گا
اُنکے اعدا سے انتقام لیگا اور اُنکے حق کا موازنہ کرے گا۔ اُس وقت اس خونریزی
سے تجھے خوشی نہ ہوگی یقین رکھو کہ شہدائے زندہ ہیں۔

اے یزید! تیرے تھک جانے کے لیے یہ اطلاع کافی ہے کہ میدانِ عدل میں
عادل حقیقی کے سامنے اُس کا رسول مدعی ہوگا اور جبریلؑ (حسینؑ کا چھوٹا
بھلانا والا) اُس کا مددگار ہوگا۔ خدا ظالموں کو بہت بُرا بدلہ دے گا۔
اُس وقت تجھے معلوم ہوگا کہ کون کیا ہے؟

اگر گردشِ زمانہ سے اس وقت ہم تیرے سامنے اس حال سے موجود ہیں
لیکن ہماری نظر میں تیری ذرا بھی وقعت نہیں بلکہ تو بیخ پر زیادہ نظر ہے۔
دیکھو! اس حادثہ عظیم سے مسلمانوں کی آنکھیں رو رہی ہیں اور

اس کے ذکر سے قلوب تپ رہے ہیں سچے دل اور گمراہ نفوس ہی ایسے مٹاؤ
 ہیں جہاں عذاب الہی اور لعنت رسول نازل ہوتی ہے۔ ان سب دلوں میں
 شیطان جاگزمیں تھا اور اپنا کام کر کے چلا گیا۔ عجیب یہ ہے کہ عورت اپنا
 جوش انبیاء و اوصیائے میں ایسے غیبت طیفیٹ کروو کے ہاتھ سے قتل ہوں۔
 ان کے ہاتھ ہمارے پاک خون سے لودہ ہیں۔ اور ان کے دہان خبیث ہمارا
 گوشت جھا پیا ہے۔ زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایسے اجسام پاک (لاشے) صحرا میں
 بے دفن و کفن پڑے ہوں اور ان کے گرد مردہ خوار جانور لگے ہوں۔
 اے یزید! اس وقت تو نے ہم کو لوٹا۔ قیامت آنے دے۔ دیکھنا کس قدر
 جلد ہم تجھ سے انتقام کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ میرے لیے اس وقت کوئی چارہ
 نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جو کر چکا ہے اس کا خمیازہ کھائے۔ اللہ بڑا منہ منہ ہے
 اور وہی دادخواہوں کا بجا دہاری ہے۔

جو مکر جی چاہے اس وقت کھیلے اور اپنی سی کر لے جو شرف خدا و رسول
 ہمیں ملا ہے اس تک تو نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارا ذکر ابراہیم باؤنگ لے گا اور
 ان افعال قبیح کا دھبہ میرے دامن سے کھینچنے گا۔ اے شمس عقل میرے
 دن گنتی کے رہ گئے ہیں تیرا گردہ پرالندہ ہو جائے گا۔ اور تیرا سب ٹھانڈا بکر کے
 دھجائے گا۔ (اہل بیت رسالت پر صلوة و سلام)